مارچ ۱۹۸۹

قد افلح من تزکیٰ و ذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

المجاھد من جاھد نفسہ (الحدیث) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ المرشد چکوال

یوسفی

بیاد

شیخ العرب والعجم، صدیقِ دوراں، مجددِ طریقت، مجتہد فی التصوف، بحرِ علومِ شریعت، قلزمِ فیوض و برکات

امامِ اولیاء، شیخِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام اللہ یار خان علیہ الرحمۃ

مقامِ اشاعت

دار العرفان ○ منارہ ○ ضلع چکوال

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

تصوّف کیا ہے؟

لغت کے اعتبار سے تصوّف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے، اس میں شک نہیں کہ یہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النّیّت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصولِ رضائے الٰہی ہے۔ قرآن و حدیث کے مطالعے، نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ اور آثارِ صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے۔

(دلائل السّلوک)

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

بنیاد: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جلد: ۱۰ شمارہ: ۵

سرپرست
حضرت مولانا محمد اکرم اعوان
مدظلہ العالی

ماہنامہ
المرشد

دار العرفان
منارہ
ضلع چکوال

شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ مارچ ۱۹۸۹ء

مدیر مسئول
پروفیسر حافظ عبد الرزاق
ایم اے (اسلامیات)، ایم اے (عربی)

مدیر
تاج رحیم

بدل اشتراک

فی پرچہ	۱۰ روپے
چندہ سالانہ	۱۰۰ روپے
ششماہی	۵۵ روپے
تاحیات	۷۰۰ روپے
سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش	۲۰۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور مشرق وسطیٰ کے ممالک	۵۰ سعودی ریال
تاحیات	۳۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپی ممالک	۱۰ سٹرلنگ پونڈ
تاحیات	۵۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ اور کینیڈا	۲۰ امریکن ڈالر
تاحیات	۱۰۰ امریکن ڈالر

فہرست مضامین

اداریہ

موت سے زندگی تک	حضرت مولانا محمد اکرم	۳
دیارِ غیر میں	"	۱۸
اللہ کی پسند	"	۲۶
اپنی اصلاح	"	۳۰
ایمان میں استقامت	"	۳۴
حسنِ اخلاق	فاطمہ صادق	۳۶
قصہ اک محفل کا	قاریہ	۳۸
کشتِ ویراں	ظفر احمد قریشی	۴۳
خلوصِ صحابہ رضی اللہ عنہم	ڈاکٹر محمد دین	۴۶

سول ایجنٹ:
اویسیہ کتب خانہ
الوہاب مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

طابع وناشر: حافظ عبد الرزاق ○ مطبوعہ: شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور ○ مقامِ اشاعت: دار العرفان، منارہ، ضلع چکوال

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

اداریہ

بڑے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸ فروری ۱۹۸۴ء کو اس دنیائے ظاہر سے پردہ فرما گئے تھے۔ انہوں نے اس سلسلۂ عالیہ کا جو پودا لگایا تھا۔ اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ چھوٹا سا پودا آج ایک مضبوط، تناور سرسبز درخت بن چکا ہے۔ جس کے سایہ میں ہزاروں سالک ہر روز فیض حاصل کرتے ہیں اور دوسروں کو اس ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھنے کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ بڑے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پودے کی آبیاری، حفاظت اور ترقی کی ذمہ داری شیخ المکرم حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ کو سونپی۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے اللہ کریم نے آپ کو جو درجات عطا فرمائے، جو قوتِ روحانی بخشی جسمانی قوت کے علاوہ قوتِ ایمان، استقامت، صبر و تحمل، حوصلہ، دل کش قوتِ بیان اور تحریر، جیسے انعامات سے نوازا۔ انتظامی اور کاروباری صلاحیت، لباس میں اعلیٰ ذوق، خوش مزاجی اور بذلہ سنجی بھی آپکی شخصیت کا حصہ ہیں۔ اللہ کریم نے اس مشن کی کامیابی کیلئے ان تمام خوبیوں کو جمع کر کے آپ کی مقناطیسی شخصیت بنائی کہ جس کسی کو آپ کی صحبت کے چند لمحے نصیب ہوئے اس کا قلب ایسا منور ہوا کہ وہ اللہ اللہ کرنے میں لگ گیا۔ شیخ المکرم مدظلہ کی شخصیت ایک ایسا چشمہ ہے جس سے ہزاروں سالکین ہر وقت اپنی روحانی پیاس کی تسکین پاتے ہیں۔ آپ ہی کی ان تھک محنت، ہر گھڑی پابہ سفر رہنے، اور محبت کے پھول نچھاور کرنے کا نتیجہ ہے کہ اس وقت اللہ اللہ کرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ دنیا کے ہر ملک، ہر بڑے شہر اور ہر کونے میں ذکر اللہ کی محفلیں سجتی ہیں۔

شیخ المکرم کی ہستی ہمارے لیے ذریعہ فیض ہے ان کی شخصیت سے پھوٹنے والے انوارات سے ہمارے دل منور ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کے سبب ہم تک برکاتِ رسول ﷺ پہنچتے ہیں تو آپکی صحبت سے دل میں سکون، عمل میں نیکی اور یقین میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ جس مشن کی بنیاد بڑے حضرت جیؒ نے رکھی، شیخ المکرم نے دن رات محنت کر کے اُسے ایک انقلابی تحریک بنایا اور دنیا کے بیشتر ممالک تک پہنچایا۔ تو ہم پر بھی اس تحریک کے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ہم تک جو فیض پہنچتا ہے جن انوارات سے ہمارے دل منور ہوتے ہیں وہ فیض، وہ برکات و انوارات ہم اپنے تک محدود نہ رکھیں۔ اپنے شیخ المکرم کی تقلید میں تاریک دلوں کو روشن کرتے چلے جائیں۔ فیض کی ایک بوند ہی ہمارے دل تک پہنچے تو ہم اُسے بھی دوسروں میں تقسیم کر دیں تاکہ محروم دل بھی سیراب ہو جائیں یوں فیض کی وہ ایک بوند، بوند نہیں رہتی ہمارے قلوب میں ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر بن جاتا ہے۔ ہم جہاں بھی ہوں اپنی تحریر سے، تقریر سے، ذاتی اثر و رسوخ سے، اپنی صحبت سے اپنے کردار و اعمال سے تاریک دلوں کے بجھے ہوئے چراغ روشن کرتے چلے جائیں۔ اور ہمارا یہ عمل اللہ اور صرف اللہ کی رضا کیلئے ہو۔ اور خود کو بھی ایسے لوگوں کے ساتھ جوڑ کر رکھیں جو ہر آن اللہ کریم کی یاد میں مصروف رہتے ہوں۔

تاج رحیم

http://kroooz-e-dil.blogspot.com/

دوسری قسط

موت سے زندگی تک

حضرت مولانا محمد اکرم

آج صبح سے کچھ احباب دوبئی سے پہنچے اور شام لندن سے امیر حلقۂ ذکر کی آمد ہے۔ مگر ہمارے قیام کا آج مکہ مکرمہ میں آخری دن ہے کل بعد فجر طوافِ وداع کر کے جدہ جائیں گے اور دوپہر کی پرواز سے مدینہ منورہ انشاءاللہ العزیز۔

آج کا درس قرآن بھی مکہ مکرمہ کے موجودہ قیام کا آخری درس تھا۔ اللہ کریم کی عطا سے سورہ حٰم سجدہ کی شروع کی آیات سے تلاوت کی سعادت حاصل کی جس کا مفہوم ہے کہ رحمٰن اور رحیم کی طرف سے نازل کی گئی کتاب ہے جس کی آیات باتیں کھول کر بیان کر دیتی ہیں۔ رحمٰن اور رحیم دونوں صفاتی نام ہیں اور دونوں کا مادہ رحمت ہے۔ مگر مفہوم کے اعتبار سے فرق ہے رحمٰن کے وزن پہ جو اوصاف بیان ہوتے ہیں، ان میں دوام نہیں ہوتا۔ جیسے غضبان، غصے سے بھرا ہوا یا عطشان پیاسا تو کوئی ہمیشہ غصے میں یا ہمیشہ پیاسا نہیں رہتا۔ اللہ کریم بھی کائنات کے خالق اور رب ہیں۔ لہٰذا دنیا میں ظہور رحمانیت عام ہے جس کے طفیل کافر بھی بے حساب نعمتیں پاتا ہے۔ زندگی، وجود، اعضاء، فضا، غذا، اولاد، اور مال غرض بے شمار سے باہر ہے اور فلاسفہ کا ایک قانون ہے کہ اگر ہم فرض کریں کہ دنیا میں میں اکیلا ہوں کوئی دوسرا انسان موجود نہیں تو یہ سارا نظام، موسموں کا آنا جانا، سورج کا طلوع غروب بادل، بارش اور ہوا، سبزہ اور کھیتی، پھل اور پھول ایک وسیع نظام صرف ایک آدمی کے لیے کام کرتا نظر آئے گا اسی طرح ایک ایک بندے کے لیے اتنا بڑا نظام روبہ عمل ہے مگر یہ مظہر رحمانیت ہے۔ جس کا اظہار اس عالم میں تو ہے مگر جب دنیا کی زندگی ختم ہوتی ہے تو رحمانیت کا پہنچنا یا اسکے طفیل مختلف فوائد کا پہنچنا ختم ہو جاتا ہے۔ آخرت کی زندگی میں اظہار رحیمیت ہو گا۔ یہ ایسی صفت ہے کہ جب دوام ہو تو اس وزن پہ بولا جاتا ہے۔ جیسے حکیم یا علیم یا کریم وغیرہ، دائمی اوصاف ہیں، اسی طرح دنیا میں بھی رحیمیت صرف مومن کا حصہ ہے اور آخرت میں صرف رحیمیت کا اظہار ہو گا۔ جس سے کافر یکسر محروم رہے گا تو یہ کتاب جو جامع ہے۔ انسانی ضرورت کے تمام سوالات کو جو انسانی ازدواج کی تربیت کا بنیادی نقطہ اور سبب ہے، اس ذات کریم نے نازل فرمائی ہے جو انسانی

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

اجسام کی پرورش کے لیے اس بہت بڑے نظام کو چلا رہا ہے۔ حالانکہ جسم مادی ہے۔ اور اس کی غذا، دوا، لباس سب مادی ہے مگر مادے کو بھی سنوار سنوار کر اس کے لیے بناتا ہے۔ اور پھل پھول اور اجناس بنا کر انسانی اجسام تک پہنچاتا ہے اسی نے ارواح کی غذا اور دوا اس کتاب کو نازل فرما دیا ہے ظاہر ہے روح تو جسم لطیف ہے۔ تو اس کی غذا دوا بہت ہی لطیف تر ہوگی۔ لہٰذا اپنا ذاتی کلام نازل فرمایا جس کا کمال یہ ہے کہ مظہر رحمانیت بھی ہے کافر کے لیے بھی دعوت ہے اور اگر قبول کر لے تو رحیمیت کو پا سکتا ہے۔ اور مومن کے لیے مظہر رحیمیت بھی ہے۔ ایسا واضح کہ اس کی آیات کھول کھول کر باتیں بیان کرتی ہیں اور یہ قرآن عربی زبان میں ہے۔ اصل تو اللہ کا ذاتی کلام ہے جس کا اظہار عربی زبان میں ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی اور زبان میں ہوگا تو وہ ترجمہ کہلائے گا، قرآن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کسی اور زبان میں نہیں ہوتی۔ دوسری زبانوں میں تراجم پڑھنا اور سمجھنا اگرچہ ہماری ضرورت ہے مگر تلاوت قرآن عربی متن ہی کے پڑھنے کو کہا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب حسن عمل پہ بشارت سناتی ہے تو بدعملی کے خوفناک نتائج سے بروقت مطلع اور خبردار بھی کرتی ہے۔ انذار کا یہ مفہوم بھی شفقت ہی کا ایک پہلو ہے۔ مگر انسانوں کی بدنصیبی کہ اتنی بڑی نعمت سے ان کی اکثریت محروم ہی رہتی ہے اور کہتے ہیں کہ آپؐ جو دعوت دیتے ہیں وہ ہمارے دلوں پہ اثر نہیں کرتی کہ ہمارے دلوں پہ پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور آپؐ کی آواز سے ہمارے کان بھی بند ہیں بلکہ سرے سے آپ کے اور ہمارے درمیان ایک دیوار سی حائل ہے لہٰذا ہم اپنا کام کر رہے ہیں آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔ اور یہی ان کی بدنصیبی کی انتہا ہے کہ روحانی موت مر چکے ہیں۔ ارواح سماعت اور بصارت سے محروم، غذا و دوا سے بے نیاز ہو چکی ہیں۔ گناہوں کی سیاہی اور کفر و شرک کی تاریکی نے دلوں کو اندھا کر دیا ہے۔ لہٰذا اپنے اعمال اپنی ذمہ داری پہ کرتے ہیں۔ یہ حال تو کفار و مشرکین کا تھا۔ لیکن جو لوگ باوجود کہ ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ضروریات دین کو مانتے ہیں مگر عملی زندگی میں اپنے اعمال اپنی پسند سے کرتے ہیں۔

اس کی وجہ کیا ہے۔ میرے خیال میں تو شاید وہ تعلق جو قلوب حاصل کرتے ہیں۔ اور رابطہ جو دل کو نصیب ہوتا ہے اس میں کمی ہے ورنہ کسی مسلمان کا آپؐ کی اطاعت نہ کرنا کوئی سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ اگلی آیہ کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ اے میرے نبی فرما دیجئے کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ یہ ایسی بات ہے جس پر نہ صرف ملک عزیز میں بلکہ پوری دنیا میں مسلمان دست و گریبان رہتے ہیں۔ کچھ یہاں سے ثابت کرتے ہیں کہ آپؐ ہماری طرح بشر ہیں دوسرے کہتے ہیں نہیں آپؐ نور ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ آپ نے میدان سیاست میں دیکھا ہوگا کہ ذرا سی بات کو سیاست دان اچھالنا شروع کر دیتے ہیں اور مخالف کو بدنام کرتے ہیں۔ خود جان رہے ہوتے ہیں کہ اندر کوئی بڑی بات نہیں۔ یہی حال دونوں فریقوں کے علماء کا ہے۔ اصل مسئلہ پیشہ ورانہ رقابت ہے اور جن کو یہ لالچ نہیں وہ کوئی جھگڑا نہیں کرتے۔ بہر حال میں نے ایک مضمون اس موضوع پہ سپرد قلم کیا تھا مدت ہوئی چھپ چکا ہے "نور و بشر" آج کا موضوع دوسرا ہے اس آیہ کریمہ کو اس پس منظر میں دیکھیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو دنیا میں کوئی نبی اللہ کے نام سے واقف نہ تھا اور اقوام عالم کسی نہ کسی روپ میں اجسام کی پوجا کرتی تھی وہ بت ہوں، درخت ہوں پہاڑ ہوں یا جانور آگ ہو یا سورج چاند بہر حال روئے زمین پر بسنے والے انسان مجسم خداؤں کو پوجنے کے عادی تھے۔ جب آپ مبعوث ہوئے تو اس قدر عجائبات آپؐ سے ظاہر ہوئے کہ دیکھنے والے بس دیکھتے رہ گئے۔ زبان داں خاموش، شاعر گنگ اور ادیب سرگرداں، آپ کا بچپن، لڑکپن، جوانی حیران کن، آپ کا اور آپؐ کے معجزات نے عقول انسانی کو عاجز کر دیا شب معراج کے واقعات مکہ مکرمہ بیٹھ کر بیت المقدس اور قافلوں کی صحیح صحیح صورت حال کا بیان، چاند کا انگلی مبارک کے اشارے سے دو ٹکڑے ہو جانا اور بے شمار معجزات جو آپ پڑھتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں یہ سب ثابت کر رہے تھے کہ آپؐ کوئی عام انسان نہیں ہیں بلکہ آپ شاید مافوق الفطرت ہستی ہیں اور یہ ایک ایسا تصور تھا جو پہلے معاشرے

http://kitaab-e-dil.blogspot.com/

میں موجود تھا اور انسان کو ہی مافوق الفطرت سمجھ کر ان کے بت تک پوجے جا رہے تھے۔ اگر حضورؐ بھی فرماتے کہ میرے سامنے جھکو تو اس دور کا انسان یہ بات بہت جلد پا لیتا کہ باپ دادا سے اسے یہی رسم بطور ورثہ ملی تھی شاید کوئی آواز بھی خلاف نہ اٹھتی یا اٹھتی بھی تو حامیوں کی کثرت میں دب جاتی مگر عجیب بات تو یہی ہے کہ یہ سب کچھ ثابت فرما کر ارشاد ہوتا ہے لوگو میں بھی تمہارے جیسا ایک انسان ہوں پوجا میری نہیں ہوگی۔ عبادت میری نہیں کرو گے۔ بلکہ خالق حقیقی جو میرا تمہارا سب کا رب ہے اکیلا مستحق عبادت ہے۔ آؤ میرا سر بھی اس کی چوکھٹ پہ دھرا ہے۔ تم بھی جھک جاؤ۔ زمانے کو آپؐ کی اس دعوت نے ہلا کر رکھ دیا جو آپؐ کی صداقت کی بھی بہت بڑی دلیل ہے تو پھر اگر یہ بات ہے تو یہ اتنا بڑا فرق کیوں ہے کہ آپؐ بے شک مخلوق ہونے میں سراپا بندگی یعنی اللہ کی مخلوق ہیں بشر ہیں مگر آپ جیسا کوئی دوسرا بشر ہے نہ کوئی دوسری تخلیق۔ آپ تو فخر بشریت ہیں۔ اس کی وجہ فرمایا: مجھ پہ وحی آتی ہے اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے۔ میں اللہ کی رحمت کا چشمہ صافی ہوں تم پیاسے ہو میں تمہاری ضرورت ہوں اور وحی الٰہی کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اس کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں اس کے اوصاف میں بھی کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ اگر کوئی شرک کرے گا تو خود تباہی سے دوچار ہوگا۔ یہاں ایک بات صاف ہوگئی کہ انسان تو انسان ہی ہوتا ہے۔ عطائے الٰہی اسے سرفراز کر دیتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو حال نصیب ہے، مراقبات و مقامات نصیب ہیں تو اس لیے نہیں کہ وہ کوئی بہت برگزیدہ ہستی ہے یا اس جیسا کوئی دوسرا نہیں بلکہ یہ اللہ کا احسان ہے جس نے ایک عام آدمی پہ لطف و کرم کی بارش کر دی۔ اور اسے اپنی خلوق کی روحانی سیرابی کا سبب بنا دیا۔ بہت سے عابد و زاہد اس دھوکے میں مارے گئے کہ شاید ہم نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دے لیا ہے۔ یہ ہمارا بڑا کمال ہے۔

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

اس سمندر میں لاکھوں کشتیاں ایسے غرق ہوئیں کہ مڑ کر کوئی تختہ بھی کنارے نہ پہنچ سکا۔ لہٰذا جس قدر توفیق عبادت نصیب ہو، ذکر اذکار نصیب ہوں، مجاہدہ کر سکیں یا مراقبات و مقامات نصیب ہوں اس قدر زیادہ شکر کرنا ضروری ہے نہ کہ اپنی بڑائی میں گرفتار ہو جائے۔ جب آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں میں تو تمہاری طرح بشر ہوں۔ سارے کمالات میرے رب کی عطا ہے جس نے مجھے وحی سے سرفراز فرمایا ہے۔ تو دوسرے کسی کے اکڑنے کی تو کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اللہ کریم دین کی سمجھ عطا فرمائیں اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیں۔ آمین۔

آج ناشتہ کے بعد ہی عمرے کے لیے چلے گئے اور دوپہر تک فارغ ہو گئے۔ بحمداللہ آج بہت اچھی طرح چل کر عمرہ پورا کر لیا اور اللہ کریم کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے اس قدر جلدی توانائی بحال فرما کر یہ توفیق بخشی۔ پھر دن بھر قیام گاہ پہ رہا۔ بچے اہلیہ اور ساتھی تو حرم گئے ہیں اب مغرب قریب ہے سب لوگ آجائیں گے پھر ذکر ہوگا اور صبح انشاءاللہ نماز حرم شریف میں ادا کر کے طواف وداع کریں گے۔ اور ناشتہ کر کے جدہ چلے جائیں گے۔ دوپہر کی پرواز سے مدینہ منورہ حاضری ہے۔ احباب سڑک کے راستہ تشریف لے جائیں گے۔ اللہ کریم قبولیت سے نوازیں۔ آمین۔

۲۴ جنوری۔ کل تو کچھ لکھا نہ تھا کہ صبح درس تو ہوا نہ تھا لوگوں نے ناشتہ کر کے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہونا تھا اور ہمیں بھی جدہ پہنچنا تھا چنانچہ فجر کے بعد طواف وداع کیا۔ اشراق حرم میں ادا کر کے نکلے اور ناشتہ جدہ آ کر کیا۔ تھوڑی دیر آرام بھی کر لیا غسل وغیرہ کیا اور پھر ائر پورٹ چلے آئے چنانچہ ۵ بجکر ۱۱ پہ پرواز کر کے ایک بجے بعد دوپہر ہم مدینہ منورہ کے ہوائی اڈے پر تھے یہاں کے احباب منتظر تھے۔ گاڑی میں بیٹھے اور قصر نجد پہنچے۔ جس کی آخری منزل کے سب کمرے احباب کے لیے بک تھے۔ ہمارا دا کے جو لوگ علی الصبح سڑک کے راستے نکلے تھے وہ ہم سے گھنٹہ بھر پہلے پہنچ چکے تھے۔ تھوڑی دیر آرام کر کے عصر حرم نبوی میں ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور روضہ اطہر پہ سلام کے لیے حاضر ہوئے پھر مغرب ادا کر کے وہاں سے اٹھے اور ذکر قیام گاہ پہ کیا۔ آج علی الصبح یہاں کا پہلا درس ہوا۔ پندرھویں پارے کی پہلی آیہ کریمہ تلاوت کرنے کا شرف نصیب ہوا۔ جس کے ایک خاص پہلو پہ کچھ عرض کیا کہ واقعہ معراج شریف اس قدر معروف ہے اتنا بیان ہوتا ہے۔ اس موضوع پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ لوگ پڑھ پڑھ یا سن کر

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

ضرور جانتے ہیں میرے پیش نظر اس کا یہ پہلو ہے کہ جب یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا تو صورت حال یہ تھی کہ سارا کفر اور سارے مشرک آتش زیر پا تھے۔ صدیوں کے مذاہب ان کے باپ دادا کی رسومات ان کے تراشے ہوئے بُت، ان کی تہذیب، ان کی سیاست، ان کا عدالتی نظام غرض کچھ بھی تو نہیں بچا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لا الٰہ کی تلوار سے سب کے پرخچے اڑا دیئے تھے اور سب کیلئے صرف ایک دروازہ کھلا چھوڑا تھا الا اللہ کا۔ سارا معاشرہ جس میں ابھی صرف چند لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے خلاف غم وغصہ سے بھرا ہوا تھا۔ ایذا رسانی کی ہر صورت اختیار کی جارہی تھی۔ مارنے سے نہ چوکتے۔ طعنے دینے سے باز نہ آتے۔ ہر طرح کی مصیبت کھڑی کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے کہ اللہ کریم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج سے نوازا۔ یہ ایسی عجیب بات تھی کہ رب جلیل نے اپنی پاکی سے بات شروع کی کہ اللہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں نہ اسے کسی سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ مدد۔ اس کے باوجود آج بھی لوگ موجود ہیں جن کا خیال ہے کہ معراج شریف خواب کا واقعہ ہے۔ آج جبکہ چاند تک تو انسانی ایجاد کردہ راکٹ پہنچ چکا ہے لوگوں کو معراج نبوی پہ جو قدرت الٰہی کا مظہر ہے یقین کرنا مشکل لگ رہا ہے۔ تو اس زمانے میں جب بجلی ہی نہ تھا نہ موٹر، نہ جہاز نہ یہ کہنا کہ میں جسمانی طور پر بہت دور سے بیت المقدس گیا۔ وہاں انبیاء کو نماز پڑھائی پھر پہلے آسمان پہ، پھر دوسرے حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک گیا۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا۔ اس سے آگے تشریف لے گیا۔ جنت کا ملاحظہ فرمایا دوزخ کو دیکھا۔ برزخ سے گزرا۔ لوگوں کو ان ان حالات سے دوچار دیکھا۔ یہ سب اتنا عجیب تھا اس دور میں اسے بیان کرنا اور ان حالات میں جو آپؐ کو درپیش تھے یہ صرف آپؐ ہی کا حوصلہ تھا اسے دیکھنے کا شرف اگر آپ کو نصیب ہوا تو بیان کے لیے بھی آپؐ ہی کی ضرورت تھی۔ کوئی بھی دوسرا اتنی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ ان دنوں بیت اللہ شریف کے گرداگرد چٹانوں پہ سارا دن لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو سب سے پہلے جس نے یہ واقعہ سنا وہ ابوجہل تھا۔ وہ اس قدر بوکھلا اٹھا کہ باوجود اس کے کہ جانتا تھا آپؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ کہنے لگا اگر میں کچھ لوگوں کو بلا لوں تو آپ سب کے سامنے یہ بات دہرا دیں گے؟ وہ اسے اس قدر ناقابل یقین سمجھتا تھا کہ اسے ڈر پیدا ہوگیا شاید میں لوگوں سے کہوں ایسا ایسا کہتے ہیں تو کہیں یہ انکار نہ کریں۔ مگر آپ نے سب کے سامنے دہرا دیا تو کہنے لگا ہم اونٹ کو خوب پالتے ہیں پھر اسے بھگا بھگا کر اس کا جگر کباب کر دیتے ہیں تو بھی آنے جانے میں، مہینوں صرف ہوتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ راتوں رات ہو کر آگئے۔ وہ آگے کی بات نہیں کرتا تھا۔ صرف بیت المقدس تک آنا جانا ہی حیران کن تھا۔ دوڑتا ہوا ابوبکرؓ کے پاس پہنچا اور کہا سنا کچھ آپ کے صاحب یہ کہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہم تو اس سے بھی بہت بڑی بات پر ایمان لاچکے ہیں کہ آپ کے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ اب اگر انہوں نے یہ فرمایا تو سچ فرمایا۔ حضور اکرمؐ نے یہ سن کر فرمایا ابوبکر صدیق ہے تب سے انہیں یہ لقب نصیب ہوا۔ یہ نبی برحق کے اعتقاد علی اللہ کا کرشمہ تھا کہ کوئی کیا کہے گا یا کیا سوچے گا۔ اس کی پرواہ نہ کی۔ اللہ کا حکم کیا ہے صرف یہی پیش نظر رہا۔ آج کے مادی ترقی کے دور میں بجلی کے استعمال نے دنیا سمیٹ دی اور زمین کی تو بات ہی کیا۔ کیمرے چاند کی سطح کے فوٹو لمحوں میں زمین پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہ صرف بجلی کی طاقت کے کرشمے ہیں۔ تو روح جو عالم امر سے متعلق ہے اور فرشتے سے بھی لطیف تر ہے اس کے لیے فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اللہ قادر ہے کہ روح کا تعلق جسم سے بھی اور علیین یا سجین سے بھی قائم فرما دیتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہاں اس جسم اطہر کی لطافتیں دیکھو جو انسانی جسم ہونے کے باوجود ان بلندیوں پہ جلوہ فگن ہوا جہاں کا قصد بھی ہر روح نہیں کر سکتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسم اطہر کے ساتھ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس پھر آسمان پہ اور آگے جہاں تک رب نے چاہا تشریف لے گئے۔ بہرحال میرا مدعا اس واقعہ کی عظمت بیان کرنا نہیں۔ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ میرے پیش نظر یہ بات ہے کہ اس پس منظر اور ان حالات میں یہ واقعہ بیان کرنا مشکل کام تھا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ مشرکین وکفار نے طوفان کھڑا کر دیا۔ پھر سوال کیے گئے کہ مسجد کے دروازے کھڑکیاں بتائیے کتنے ہیں۔ کیسی ہے وغیرہ۔ بھلا آپ نے کتنے عمرے

http://kunooz-e-dil.blogspot.com/

اور حج کئے۔ کبھی مسجد حرم کی کھڑکیاں شمار کی ہیں۔ آپ نے تو رات وہاں دو رکعت کی امامت فرمائی۔ جس کی سعادت اللہ نے تمام انبیاء کو نصیب فرمائی تھی۔ یہاں بھی یاد رہے انبیاء جسم ہوئے تھے۔ ارواح انبیاء کا ذکر نہیں آپ نے برزخ کا مشاہدہ فرمایا۔ دوزخ کو دیکھا۔ جنت کو ملاحظہ فرمایا۔ ہر جا کے حالات بیان فرمائے ہیں۔ اب اللہ کی قدرت دیکھئے مشرکین نے جس قدر شور کیا بات اتنے زور سے پھیلی اور کتنے ایسے خوش نصیبوں تک پہنچی جن کی قسمت میں ہدایت پانا لکھا تھا۔ اب دیکھیں قرآن حکیم میں ذکر کرنے کا حکم موجود سنت میں موجود، تعامل امت بھی موجود۔ بلکہ امت کے بہترین حضرات سب ذاکر اور منور القلوب تھے پھر اس پہ معذرت خواہانہ رویہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ ضرورت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر کو اس کی تلقین کو، طریقے کو، دوسروں تک پہنچایا جائے۔ اگر کوئی مخالفت کرے گا تو اللہ کریم خود کارساز ہے۔ آپ بات خلوص سے کریں تو مخالفت کا رد بھی آپ کے مشن کو فائدہ پہنچائے گا۔ اور یہ بات کہ اسے دوسروں سے چھپایا جائے درست نہیں۔ اگر تو یہ دین ہے تو اسے بیان کیا جائے یا خدانخواستہ دین نہیں ہے تو پھر چھپ کر کرنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔ لہٰذا پہلے یقین کامل حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ اس سے دل میں سکون، عمل میں نیکی اور یقین میں قوت پیدا ہو رہی ہے تو پھر اس کو آدھے دل سے نہیں صمیم قلب سے اور جم کر کرنا اور دوسروں تک پہنچانا ہی زندگی کا بہترین مصرف ہے۔

اس کے بعد آج تھوڑی دیر بازار تک گیا اور ہاتھ کی چھڑی کے بغیر گیا۔ اگرچہ تھوڑا ہی پیدل چلا زیادہ آنا جانا تو کار میں ہوا مگر اس کے باوجود ابھی ٹانگ پوری طرح بوجھ برداشت نہیں کرتی۔ دن بھر درد رہا۔ اب شام ہے اور ٹانگوں میں درد بدستور ہے۔ اللہ کریم رحم فرمائیں تو انشاء اللہ درست ہو جائے گا۔ دونوں چھوٹے بچے ساتھ تھے۔ چند چھوٹی چھوٹی چیزیں انہوں نے خریدیں اور واپس آ گئے۔

۲۷۔ جنوری۔

آج جمعۃ المبارک تھا رات کافی لوگ آئے۔ چھٹی تھی۔ حرم شریف میں بھی بھیڑ حج کی طرح ہو گئی۔ علی الصبح درس قرآن ہوا۔ آج سورہ کہف کی چوتھی آیت نمبر ۲۷ بیان کی جس کا مفہوم اس طرح سے ہے کہ آپ خود کو ان لوگوں کے ساتھ رکھیئے جو صبح و شام یا رات دن اللہ کو اس کی رضا کے لیے یاد کرتے ہیں۔ اور کسی بھی دنیاوی فائدے کے لیے ان کی طرف توجہ کم نہ کیجیے نیز جن لوگوں کے قلوب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے ان کی پرواہ مت کیجئے کہ ان کی بات تو بگڑ چکی۔

اس آیہ مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرما کر فرمایا جا رہا ہے کہ آپ اپنے آپ کو بالالتزام ایسے لوگوں کے ساتھ رکھیے "واصبر"۔ صبر کا مطلب ہوتا ہے باگ کھینچ کر روک لینا یعنی پوری کوشش کر کے کوئی کام کرنا، اگرچہ ہمارے ہاں تو صرف ایک معنیٰ اختیار کیا جاتا ہے کہ موت یا نقصان پر شور نہ کرے تو کہتے ہیں صبر کیا مگر شرعاً اطاعت الٰہی پر کاربند رہنے کو صبر کرنا کہا جاتا ہے۔ اور یہاں یہ معنٰی نہایت موزوں ہے کہ اپنے آپ کو بالالتزام ایسے لوگوں کے ساتھ رکھیے جو رات دن یعنی ہر آن اللہ کی یاد میں مصروف رہتے ہیں۔ اور یہ اہتمام محض اللہ کی رضا کیلئے کرتے ہیں یہ آیہ کریمہ حجرہ مبارک میں نازل ہوئی یعنی حجرہ مبارک جس پر سبز گنبد بنا ہوا ہے۔ یہ سیدہ عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ پاک سے مسجد میں تشریف لائے تو صحابہ بیٹھے ذکر کر رہے ہوتے تو فرمایا اللہ کا شکر ہے مجھے جیسے لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ویسے لوگ بھی عطا فرما دیئے آج جو لوگ ذکر کرنا نہیں چاہتے ان کا سوال ہوتا ہے کہ کیا صحابہ ذکر کرتے تھے کیا آپؐ ذکر کیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ سب کچھ ثابت ہے اور کتاب الٰہی میں حکم موجود ہے سنت میں عمل موجود محض نہ کرنے کے بہانے ہیں ورنہ علماء ربانی نے تو ذکر قلبی کو مسلمان مردوں اور خواتین کے لیے واجب لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب اللہ کا مطالبہ ہی یہی ہے۔ رات دن ہر وقت سوائے اس کے کہ قلب ذاکر ہو ذکر ممکن ہی نہیں۔ بہر حال اس موضوع پر بہت دفعہ بات ہو چکی ہے۔ یہاں تو بات یہ ہو رہی ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمت للعالمین ہیں آپ کا قلب اطہر تو کفار کے لیے پریشان ہو جایا کرتا تھا۔ اور مومنین کے لیے تو آپ تھے ہی رؤف و رحیم اس کے باوجود ذاکرین کے لیے بطور خاص ارشاد ہو رہا ہے۔

http://kr-ooz-e-dil.blogspot.com/

کہ آپ ان میں تشریف فرما ہوا کریں اور اس کے لیے دنیا کا بڑے سے بڑا فائدہ قربان کرنا پڑے تو کر گزریں سبحان اللہ یہاں کوئی بھی ذاکر اپنی حیثیت اپنا ذکر اور اپنی محنت دیکھے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت شان رفعت مقامات کا تصور کرے اور اللہ کی عطا کو دیکھے کہ کس عظیم انعام سے نوازا جا رہا ہے حق یہ ہے کہ یہ اتنی بڑی بات ہے جس کا احاطہ کرنا ہماری عقول کا کام ہے نہ ہمارے علوم کے بس میں اور نہ ہی یہاں عقل و خرد دم مار سکتی ہے اب رہی یہ بات کہ کوئی کہے یہاں مطلق ذکر کی بات ہے آپ خواہ مخواہ اسے ذکر قلبی کی طرف لے گئے تو اگلی بات پہ توجہ کرنے سے بات کھل جاتی ہے کہ ارشاد ہوا جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے ان کی پرواہ نہ کریں تو ایک بات تو یہ متعین ہو گئی کہ بات قلبی ذکر ہی کی ہو رہی تھی دوسرے یہ پتہ چلا کہ قلبی ذکر کا نصیب نہ ہونا اللہ کی طرف سے بعض گناہوں کی سزا کے طور پر مسلط فرمایا جاتا ہے کہ یہاں غفلت عن الذکر کو اپنی طرف منسوب فرماتے ہوئے فرمایا کہ جن کے قلوب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اب اس کی سزا اتنی کڑی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا آپ ان کی بات کو کوئی اہمیت نہ دیں۔ اس لیے کہ ان کی بات بگڑ چکی ہے۔ اللہ کریم اپنی یاد میں زندہ رکھے اور خطاؤں سے درگزر فرمائے آمین۔

آج دس بجے حرم چلے گئے جمعہ تک وہیں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بہت بھیڑ تھا اور بڑی رونق تھی۔ اللہ ان گھروں کو ہمیشہ آباد رکھے اب عشاء کی اذان ہو رہی ہے اور کمرے کی کھڑکی سے حرم نبوی اور گنبد خضرا کا بہت خوبصورت منظر سامنے ہے۔

آج بہت سے لوگ عشاء کے بعد رخصت ہو رہے ہیں کچھ کل جائیں گے۔ اور پھر اپنی باری بھی چلنے کی آجائے گی یہی اس عالم کا نظام ہے۔

۲۸۔ جنوری۔

الحمد للہ نیا دن آیا اور نئی مصروفیات بھی لایا یہاں کی راتیں بھی اور دن بھی ہمیشہ یادگار ہوتے ہیں۔ مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں دور دور تک عمارتیں صاف کر دی گئی ہیں اور اب دور دور سے گنبد خضرا کے نظارے نصیب ہوتے ہیں ہم یہاں چھٹی منزل پہ ٹھہرے ہوئے ہیں رات کو روشنیوں کا شہر ہوتا ہے اور سبز گنبد کی الگ بہار نظر آتی ہے۔ دن کو سورج نکلتا ہے تو اس کے حسن پہ نچھاور ہونے لگتا ہے۔ رات دن اٹھتے بیٹھتے نظر قربان ہو ہو جاتی ہے اور بے اختیار صلوٰۃ و سلام زبان پہ جاری ہو جاتا ہے۔

آج ایک امریکی دوست نے گھر فون پہ بات کی بیوی نے بتایا کہ یہاں بہت برف پڑ رہی ہے تو کہتا ہے

"I AM IN PARADISE, I AM NOT COMING BACK" یعنی میں جنت سے بول رہا ہوں اور یہاں واپس آنا نہیں چاہتا"۔ اس نے سو فیصد سچ کہا کہ یہی شہر خوباں ہے جہاں جنت کے باغوں میں سے باغ بھی ہے اور جہاں جنت کے باسی ہی نہیں جنت بانٹنے والے تشریف رکھتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بچے والدہ کے ساتھ حرم شریف گئے ہیں روضۂ اطہر پہ ہدیہ سلام نچھاور کرتے اور میں آج کے درس کی چند سطور نقل کرنے چلا ہوں۔ اللہ ہی کی طرف سے سب توفیق ہے۔ اور وہی کارساز حقیقی ہے۔ آج سورہ حج کی گیارہویں آیہ مبارکہ تلاوت کی جس کا مفہوم کچھ ایسے ہے کہ کچھ لوگ اللہ کی عبادت مشروط انداز میں کرتے ہیں۔ اگر تو کام بن گیا کوئی مقصد پورا ہو گیا یا کسی خواہش کی تکمیل ہو گئی تو مطمئن ہو گئے۔ اور اگر کسی امتحان و آزمائش میں پڑ گئے تو سب کچھ چھوڑ بیٹھے ایسے لوگ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں خسارہ پاتے ہیں جو بہت بڑا نقصان ہے۔

عبادت دراصل اس اطاعت کا نام ہے جو کسی سے نفع کی امید پر یا اس سے ڈر کر کی جاتی ہے۔ اسی لیے اگر ہم کسی کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ کے حکم کے خلاف کرتے ہیں تو یہ اس کی عبادت قرار پائے گی حتیٰ کہ اللہ کے حکم کے خلاف اپنی خواہشات کی اطاعت کو خواہشات کی عبادت قرار دیا گیا تو گویا اطاعت کرنے والا اپنے محتاج ہونے کا اقرار کرتا ہے اور جس کی عبادت کرتا ہے اسے حاکم تسلیم کرتا ہے تو پھر یہ مطالبہ درست نہیں ٹھہرتا کہ عبادت کے بعد توقع رکھے اب اللہ کریم ایسا ہی کریں گے۔ جیسا میں کہوں گا یہ تو معاملہ ہی الٹ گیا گویا پہلے اس نے عبادت کی تھی۔ اب اللہ اس کی عبادت کرے تو یہ باطل ہے۔ اور تمام اور ہر اطاعت عبادت قرار پائے گی۔ دعا بھی اطاعت و عبادت دونوں چیزوں کا مجموعہ ہے اس لیے

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

مذاہب باطلہ کی بنیاد ہی اسی فلسفے پر ہے کہ ہر عبادت کیساتھ کوئی نہ کوئی دنیا کا معاملہ بھی جوڑ رکھا ہے اسلام اس سے بہت آگے لے جاتا ہے اور عبادت کا حکم اس لیے دیتا ہے کہ اللہ کریم عبادت کا مستحق ہے۔ اس کی شان ایسی ہے اس کی ذات ہی ایسی ہے اس کے احسان ہی اتنے ہیں کہ اس کی عبادت کی جائے اس کی اطاعت کی جائے لہٰذا ہر عبادت اطاعت ہوگی یعنی از خود بنانا درست نہیں۔ جس طرح کرنے کا حکم ملے۔ ویسے کی جائے گی۔ اس لیے کثرت سے دعا کرنے کا حکم ہے مگر ان تمام عبادات طاعات اور دعاؤں سے ملتا کیا ہے جب کرنا تو اللہ نے وہی ہے جو وہ چاہتا ہے تو سنیں اس کا صلہ قرب الٰہی، رضائے الٰہی اور وہ حوصلہ ہے جو ان عبادات کے طفیل ملتا ہے اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آئے اسے برداشت کرنے کی قوت نصیب ہوتی ہے۔ اگر غریبی و مفلسی ہو یا بیماری اور سفر تو بھی، امارت اور شان و شوکت یا حکومت و سلطنت ہو تو بھی انسان اسی خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں سجدوں کی لذت بھتا رہتا ہے۔ جیسے صحابہ کرام جو قرآن حکیم کے مثالی مسلمان ہیں۔ مکہ مکرمہ کی مشکل ترین زندگی میں اور ہجرت کے کٹھن سفر میں بھی مدینہ منورہ کی شروع کی پر خطر حیات میں بھی اور پھر بہت بڑی سلطنت کے مالک و مختار بن کر بھی اسی خشوع و خضوع سے سجدہ ریز رہے جو قرب الٰہی کا ثمر اور عبادت کا پھل کہا جا سکتا ہے۔ کبھی مکہ کا مہاجر اسی مسجد نبوی میں بیٹھ کر چین سے ہسپانیہ تک اور افریقہ سے سائبیریا تک کا حکمران بھی تھا مگر پھر دو حال میں اپنے رب سے اس کا تعلق ویسا ہی رہا۔ اگر کوئی اس راز کو نہ پا سکے اور محض دنیا کمانے کے لیے یا خواہشات کی تکمیل کے لیے چلہ کشیاں کرتا بھی رہے تو اول تو وہ خواہشات پوری نہ ہوتے پر یہ سب چھوڑ چھاڑ بیٹھتا ہے اور خواہشات اتفاقاً چلے سے مطابقت پا جائیں ورنہ تو قانون قدرت کے تحت ہی پوری ہوتی ہیں اور اگر نہ بھی چھوڑے تو ان خرافات پر اللہ کی بارگاہ میں کوئی اجر ملتا ہے نہ دنیا میں بھلا ہوتا ہے بلکہ دنیا و آخرت ہر دو عالم میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور یہ نقصان بہت بڑا نقصان ہے اللہ کریم اس سے پناہ دیں اور اپنی رضا کے لیے اپنی عبادت کرنے کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

۲۹ جنوری۔ آج بھی حسب معمول بعد از فجر درس قرآن ہوا۔ آج کا موضوع تھا معاشرے کی اصلاح کا اسلامی طریقہ۔ اگرچہ آج کی مادی ترقی نے عجیب و غریب ایجادات بھی دی ہیں حتیٰ کہ ایسی مشینیں وجود میں آ چکی ہیں جو بات سن کر بتا دیتی ہیں کہ بولنے والے نے سچ کہا یا جھوٹ بولا، خفیہ کیمرے اور وائرلیس کے ذریعے رابطے نے پولیس کے کام میں بھی بہت آسانی پیدا کر دی ہے۔ مجرموں اور جرائم کا کھوج لگانے کے جدید طریقے اور پھر ایسے ممالک جہاں حکومت واقعی جرائم کا سدباب کرنے میں پوری طرح کوشاں ہے رشوت یا سفارش پر کوئی مجرم بچ نہیں سکتا۔ مگر ان تمام کوششوں کے باوجود اگر جرائم کی شرح دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے اور ایسے بھیانک اور گھناؤنے جرائم ہوتے ہیں کہ انسان سن کر لرز اٹھتا ہے اس لیے کہ کیمرے کی آنکھ میں دھول جھونکی جا سکتی ہے پولیس اور حکومتی اداروں کی نگاہوں سے چھپا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ذرا موقع ملا اور واردات ہو گئی۔ مگر اسلام سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کی سعادت بخشتا ہے وہ اللہ اور جو سب کا خالق بھی ہے مالک بھی ہے رزاق بھی ہے پھر ابدی اور دائمی زندگی کی خبر دے کر اس کے یقین سے سرشار کرتا ہے۔ جس کے مقابلے میں یہ زندگی محض ایک آزمائش ہے جس نے اس عالم میں اللہ کریم کے احکام کی بجا آوری کا اہتمام کیا اس نے آخرت کی دائمی راحتوں کو پا لیا۔ اب معاشرے میں ہر فرد کے لیے حقوق مقرر فرماتا ہے اتنے حسین اور پیارے انداز سے کہ کافر و منکر کو بھی اپنی محرومی کا احساس نہیں ہوتا اس کے انسانی حقوق کی تعین بھی کر دیتا ہے اس حکومت کو ان قوانین حقوق کی نگہداشت کا فریضہ سونپ کر فارغ نہیں ہو جاتا بلکہ بندے سے بات یہ کرتا ہے کہ ایک تو قانون توڑنے کی سزا حکومت دے گی جو ہر حال میں حکومت کو پورے پورے انصاف کے ساتھ دینی چاہیے۔ اس کے ساتھ تمہارا رب ایسا ہے جو ہر جگہ ہر حال میں موجود ہے اور تم اس کی نگاہ سے ہرگز پوشیدہ نہیں ہو لہٰذا قانون اسلام کو توڑ کر اللہ سے دشمنی کا ارتکاب کرو گے کہ اس کے روبرو اس کے احکام کو پامال کرنے والا اس کا دشمن ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی گناہ اپنا نقصان دوسرے کی حق تلفی حکومت سے سزا کا باعث اور سب سے بڑھ کر

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

دشمنی جو بہت ہی خطرناک انجام کا باعث ہوگی۔ لہٰذا معاشرتی انصاف کو قائم رکھنے کے لیے اس نتیجے سے بھی مطلع فرما دیا جو ایسے لوگوں کو یوم حشر پیش آنے گا۔ اور فرمایا "جس روز اللہ کے دشمنوں کو آگ یعنی دوزخ کی طرف بلایا جائے گا تو بہت شور کر رہے ہوں گے۔ شور سے مراد کہ عذر معذرت یا یہ شور کہ ہم نے تو یہ جرائم کئے ہی نہیں پتہ نہیں فرشتے کہاں لکھتے رہے یا اس طرح کی باتیں۔ یہ سورہ فصلت کی ۱۹، ۲۰، ۲۱ آیات ہیں کہ اللہ کریم ان کے اعضاء بدن کو بات کرنے کا حکم ارشاد فرمائیں گے چنانچہ خود ان کے اعضاء کان آنکھ جسم کی کھال تک سب اقرار جرم کریں گے اور تمام جرائم پر گواہی دیں گے تو وہ حیرت سے کہیں گے کمال ہے تمہیں کو آگ میں جلنا ہوگا۔ اس مصیبت سے تمہیں بچانے کے لیے تو ہم شور ڈال رہے تھے بھلا تم کس خوشی میں ہمارے خلاف گواہ بن گئے ہو تو وہ کہیں گے کہ اس میں حیرت کی تو کوئی بات نہیں جس اللہ نے ہر شے کو قوت گویائی دی تھی اسی نے ہمیں بولنے کی اور بات کرنے کی طاقت بخش دی تو آخر زبان بھی تو گوشت ہی کا ایک ٹکڑا تھی جو اسے بولنے کی طاقت دینے پہ قادر تھا اس نے ہمیں بھی بات کرنے کا حکم دیا ہے تو اب ہم غلط تھوڑی کہیں گے نتیجہ خواہ کچھ ہو ہمیں تو گویائی ہی اس بات کو صاف کرنے کے لیے ملی تھی اور اس میں حیرت کی بھی کوئی بات نہیں وہ ایسا قادر ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا تھا تم کچھ بھی نہ تھے۔ انسان بنایا سماعت بصارت حسن صورت قد و قامت یہ سب کچھ تو اس نے بنایا ہے ایک بار پھر بنا دے گا۔ اور تم اس کی بارگاہ میں حاضر کئے جاؤ گے۔ یہاں فلسفہ گناہ پہ ارشاد فرمایا کہ تمہیں یہ توقع ہی نہ تھی کہ ہاتھ پاؤں باتیں کرنے لگیں گے بلکہ اسلام کو صدق دل سے قبول نہ کر کے تو تم اس وہم میں رہے کہ شاید اللہ ہمارے اعمال سے واقف نہیں ہیں۔ یہی غلط فہمی تمہاری دو عالم کی تباہی کا باعث بن گیا۔ لہٰذا اسلام تعمیر معاشرہ کی بنیاد اس ایمان کو قرار دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے مومن کو ہر آن حضور الٰہی حاصل رہتا ہے۔ گھر ہو یا دفتر، مسجد ہو یا بازار کوئی دیکھ رہا ہو یا نہ مگر اللہ کریم ہر حال میں دیکھ رہا ہوتا ہے جس کی نافرمانی کرنا مومن کو گوارا نہیں ہوتا یا اگر بتقاضائے بشریت غلطی کر جائے تو فوراً توبہ کرتا ہے۔ اس کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے کہ حکومت سے پولیس سے معاشرے سے انسانوں سے چھپ کر عمل کرنا ممکن ہے۔ مگر اللہ سے چھپنا ممکن نہیں۔ دوسرے انسانوں کی ناراضگی سے شاید کچھ نہ بگڑے مگر اللہ سے دشمنی انسان کی دائمی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔ لہٰذا اسلام نے جہاں معاشرے کے تمام طبقوں کے حقوق میں ایک خوبصورت توازن رکھا ہے وہاں ان کی نگہداشت اور پابندی کے لیے حکومت کے ذمے بطور فریضہ لگا کر بس نہیں کر دیا بلکہ انسان کے تعلقات جو اپنے رب کے ساتھ ہیں ان کو بھی بنیاد قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود ہزار کمزوریوں کے مسلم ممالک میں روئے زمین کی بڑی بڑی حکومتوں کی نسبت امن ہے خصوصاً عرب ممالک جہاں کسی حد تک اسلامی حدود نافذ ہیں، امن مثالی ہے۔ اللہ کریم ہمیشہ یہاں امن ہی رکھے۔ آمین۔

آج دوپہر مسجد نبوی میں حاضری دی، دعائیں کیں، خطاؤں سے توبہ اور آئندہ بچنے کے لیے دعا کی۔ مسلم دنیا کیلئے اور مجاہدین اسلام کے لیے نیز اپنے ملک کے لیے دعائیں کیں۔ کچھ گزارشات تھیں کچھ نوازشات ہوئیں ایک پیغام صاحب مجاز حضرات کے لیے عطا ہوا۔ امید ہے ناظم اعلیٰ صاحب جو ہمراہ تھے سب کو پہنچا دیں گے۔ بہر حال یہ ایسی باتیں ہیں جن کا تعلق عمومی تحریر سے نہیں اور بعض اوقات لکھی بھی جا چکی ہیں۔

صبح زاہد امین صاحب ریاض گئے تھے کہ ہمارے کینیا کے لیے ویزے نہ تھے انہوں نے پچھلے پہر اطلاع دی ہے کہ ویزے لگ گئے ہیں یعنی ہم حسب پروگرام ۲۔ فروری کو نیروبی جا سکیں گے۔ انشاء اللہ۔

۳۰ جنوری۔

آج مدینہ منورہ میں قیام کا آخری دن ہے کل دوپہر یہاں سے روانگی ہے۔ انشاء اللہ کل شام جدہ میں ہوں گے۔ آج صبح احد میں مزارات شہداء پر حاضر ہوتے جبل احد کا نظارہ نظر نواز ہوا۔ پھر مسجد قبلتین پہنچے موٹر میں ہی بیٹھ کر دعا کی اور مسجد قبا حاضر ہوئے۔ دوگانہ ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ واپسی پر جنت البقیع کے ساتھ ساتھ گزرتے ہوئے فاتحہ پڑھی کہ دروازے

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

بند تھے۔ اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ اور زاہد صاحب آج واپس چلے گئے ہیں۔ شام دیر سے جدہ پہنچیں گے۔ ہم کل ہوائی جہاز سے جا رہے ہیں اب بعد عصر یہ تو مسجد نبوی چلے گئے ہیں۔

چند حروف لکھنے بیٹھ گیا ہوں جو صبح کے درس کے یاد رہے ذہن میں موجود ہیں۔ آج کے بیان میں سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۲۷ کی تلاوت کی جس کا مفہوم اس طرح سے ہے کہ تحقیق تمہارے پاس اللہ کا رسول تشریف لا چکا جو تم میں سے ہے اور تمہیں دکھ پہنچے تو بڑی شدت سے محسوس فرماتا ہے۔ نیز اے انسانو تمہارے لیے تو حرص کی حد تک تیار رکھتا ہے اور مومنین کے لیے رؤف و رحیم ہے۔ یہاں سب سے پہلے توپوری انسانیت کو اس بات کی طرف متوجہ فرمایا کہ کسی نئے واقعے کے رونما ہونے کا انتظار نہ کریں کہ اچانک کچھ ظہور پذیر ہوگا۔ اور تم میں مثبت تبدیلی ہو جائے گی کہ عموماً انسانی مزاج تبدیلی کے لیے یا سوچ کے دھارے بدلنے کے لیے کسی نہ کسی واقعے کا منتظر رہتا ہے۔ فرمایا وہ بہت بڑا واقعہ ہو چکا اتنا بڑا کہ پوری انسانی تاریخ میں ایک ہی بار ظہور پذیر ہوا۔ نہ پہلے ایسا ہوا تھا نہ بعد میں ایسا ہوگا اور وہ ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت جس کا ایک انفرادی پہلو یہ ہے کہ پہلے بھی انبیاء مبعوث ہوتے رہے مگر خاص اقوام کے لیے اور خاص اوقات کے لیے یہ ایک ہی بار ہوا کہ ساری انسانیت کے لیے ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوا۔ اور ہمیشہ کے لیے ہوا پھر کسی اور کی بعثت کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ یہ اتنا عظیم واقعہ ہے کہ کبھی دہرایا نہ جائے گا لہٰذا اب باری تمہاری ہے کہ آگے بڑھو اور اپنے دامن برکات سے بھر لو یہ اتنی بڑی ہستی جس میں اسقدر برکات اور سامان ہدایت موجود ہے کہ ساری انسانیت کے لیے بس ہے کسی اور جنس سے نہیں کہ تمہیں استفادہ کرنا مشکل ہو غیر جنس سے استفادہ تو واقعی مشکل ہے مگر اپنی ساری انفرادیت کے باوجود اپنی ساری عظمتوں اور منازل قرب اور جمال بے مثال کے باوجود اللہ کا رسول تم ہی میں سے یعنی نوع انسانی میں سے ہے۔ یہ شرف انسانیت ہے اور باعث خیر بشر ہے۔ دو باتیں تو ہو گئیں مگر کیا انسانوں کو برداشت بھی فرما لیں گے کہ طالب اصلاح جو جائیں گے تو بیشتر اللہ سے ناآشنا کفر و شرک میں لتھڑے ہوئے اور صدیوں کے نسلاً بعد نسل بھٹکے ہوئے ہوں گے کیا ایسے لوگوں کے لیے وہاں کوئی گنجائش ہوگی۔ فرمایا وہ دو جہاں سے بے نیاز اور صرف خالق دو جہاں کا طالب اے انسانو تمہارے معاملے میں تو حریص ہے یعنی تمہیں ہدایت پہ لانے کے لیے لالچ اور حرص کی حد تک چلا گیا ہے تم قریب جا کر تو دیکھو بھلا اس کے کرم کا تماشا تو کرو ایک بات اور کہ یہ لوگ تو عذر رکھتے تھے اسلام و ایمان سے واقف نہ تھے گناہ آلودہ زندگی لے کر گئے تو کیا حرج ہے کہ گناہ و ثواب تو ایمان کے بعد کی بات ہے پہلے تو دعوت ایمان لانے کے لیے ہے جو انہوں نے قبول کر لی۔ مگر کچھ غریب ایسے بھی ہیں جو ہیں تو مسلمان اور مومن۔ ایمان تو رکھتے تھے مگر گناہ سے باز نہ رہ سکے اور یوں اپنا دامن سیاہ کر لیا۔ کوئی گنجائش ان کے لیے بھی ہے، فرمایا مومنوں کے لیے تو رؤف بھی ہے رحیم بھی ہے۔ درگزر کرنے والا بھی ہے۔ شفقتیں لٹانے والا بھی، رافت کو سمجھنے کے لیے آپ ایک والد کو دیکھیں اگر اس کا بچہ بہت بگڑ جائے، معاشرہ اسے رد کر دے، دوست احباب جدا ہو جائیں اہل خاندان ٹھکرا دیں۔ پولیس پیچھے پھرتی ہو۔ مگر والد کے دل میں اس کے لیے ایک نرم گوشہ ضرور موجود ہوگا اور پھر کہہ اٹھے گا بیچارے کو معاف کر دو۔ آئندہ سنبھل جائے گا یہ رافت کی ادنیٰ سی صورت ہے جبکہ اس کا کمال دیکھنا ہو تو شفقت نبوی کو مومن کے حق میں دیکھنا چاہیئے اللہ کریم تمام مسلمانوں اور ہم سب کو بھی ان نعمتوں سے نوازیں۔ ایک بات جو یہاں بین السطور میں عموماً رہ جاتی ہے اور مقرر بھی محاسن و فضائل کی لذتوں سے سرشار گزر جاتا ہے۔ کچھ یہی حال مفسرین کرام کا بھی ہوتا ہے وہ بات یہ ہے کہ رحمت کا اس قدر بحر بیکراں آواز دے رہا ہے پھر بھی جس نے پرواہ نہ کی اور پیاسا منہ لے کر خالی ہاتھ میدان حشر میں پہنچا۔ اس کے پاس کوئی دلیل کوئی جواز نہیں ہوگا کہ وہ کیوں خالی رہا اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو کامل استفادہ نصیب فرمائے

۲، فروری۔

دو دن کچھ نہیں لکھ سکا ۳، جنوری کو درس تو نہ تھا

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

تھا کہ سڑک راستے جانے والے لوگوں نے نماز کے فوراً بعد روانہ ہونا تھا۔ لہٰذا وہ ناشتہ کر کے نکل کھڑے ہوتے۔ ہم نے بھی سامان بند کیا اور کاروں پہ ہی جدہ روانہ کر دیا کہ ائرپورٹ پر لے جانے اور پھر لانے کی مصیبت نہ ہوگی لہٰذا درس تو نہ ہو سکا البتہ سلام کے لیے حاضری دی۔ ریاض الجنہ میں تلاوت کی۔ نوافل ادا کئے کچھ گزارشات اور دعائیں کیں۔ بحمداللہ یوں دوپہر فارغ ہو کر کھانا کھایا اور ظہر ادا کرتے ہی ایئرپورٹ چلے گئے۔ اب مدینہ منورہ سے رخصت کی کیفیات تو صرف محسوس کرنے کی چیز ہیں ہیں کوئی کیا لکھ سکتا ہے۔ بہرحال عصر جدہ میں پڑھی اور کھانا کھاتے چلے گئے۔ یہاں ایک علیحدہ محلہ ہے جسے بہت بڑی چار دیواری نے گھیر رکھا ہے۔ باقاعدہ گیٹ اور سیکیورٹی ہے۔ جہاں سے صرف صرف وہاں کے لوگ گزر سکتے ہیں یا پھر اجازت لے کر ان کے یہاں اسے شربتلی ویلج SHARBATALI VILLAGE کہتے ہیں۔ جس کی رہائش بہت مہنگی ہے۔ مثلاً جہاں ہم گئے تھا ہے اس ایک مکان کا کرایہ اسی ہزار سعودی ریال سالانہ ہے۔ یہ نام گاؤں کا کیا ہے سرزمین عرب پر اور شہر جدہ میں جدید امریکہ کی بستی ہے۔ سب کچھ وہی ہے اور اکثر لوگ بھی امریکن اور یورپین ہیں جو یہاں عرب کی کمپنیوں میں بڑے بڑے افسر ہیں وہی بود و باش، وہی لباس وہی سوئمنگ پول وغیرہ سب خرافات موجود ہیں ہاں دیوار سے باہر وہ انسانوں کی طرح رہنے کے پابند ہیں اور دیوار کے اندر غیر متعلقہ آدمی کو داخلے کی اجازت نہیں یہ بہرحال عرصہ ہوا یہاں آتے مگر یہ نمونہ پہلی بار دیکھا۔ ۵۰ کے قریب ساتھی تھے سب کا کھانا ہمارے ساتھ تھا۔ بحمداللہ مغرب کے بعد کا ذکر بھی وہیں ہوا۔ اور یوں پہلی بار اس علاقے میں بھی ذکر الٰہی کی محفل سجی رات کافی دیر سے گھر پہنچے۔ ساتھی بھی اپنے ٹھکانے پر پہنچے۔ یکم فروری یعنی کل صبح واپس ہوا۔ سحری کا ذکر احباب کے ساتھ جا کر کیا اور نماز کے بعد درس قرآن۔ سورہ رعد کی آیات ۲۶ تا ۲۹ تلاوت کیں۔ مفہوم یہ ہے کہ اللہ جس کے چاہیں رزق میں فراخی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جسے چاہیں تنگی۔ لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی ضرورتوں میں الجھے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں کافر کہتے ہیں ان پر کوئی خاص نشان ان کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہیں ہوتی۔ آپ ان سے کہئے کہ اللہ جسے چاہیں گمراہ کر دیتے ہیں کہ ہدایت تو ان کو نصیب ہوتی ہے جن کے دل میں انابت پیدا ہو۔ ایسے لوگ جنہیں ایمان نصیب ہوتا ہے اور ان کا دل صرف یاد الٰہی سے قرار پکڑتا ہے اور سنو دلوں کا قرار صرف اللہ کی یاد ہے ایسے لوگ جو ایمان لائیں اور اچھے کام کریں ان کے لیے حسن انجام کی مبارک ہو۔

اللہ کریم کے دو صفاتی نام ہیں باسط اور قابض۔ انسانی حیات پر ان کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے کہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے سب اللہ کریم کی طرف سے بطور رزق نصیب ہوتا ہے زندگی بچپن جوانی بڑھاپا، طاقت کمزوری، صحت، بیماری، دولت غربت یہ سب انہیں صفات باری کے مظاہر ہیں۔ جب کسی پہلو پر بسط ہوتی ہے۔ تو اس میں فراخی آجاتی ہے اور اگر قبض ہو تو تنگی مگر انسان اللہ کو بھول کر صرف اور صرف اپنی کوششوں میں سر کھپاتا رہتا ہے۔ اظہار بسط ہو تو شکر نہیں کرتا اپنی عقلمندی کے گیت گاتا ہے۔ قبض ہو تو شکوے کرنے لگتا ہے۔ صبر کے ساتھ دعا نہیں کرتا۔ حالانکہ درست طریقہ یہی ہے کہ اصل تو حیات آخرت ہے۔ جس کی تعمیر ضروری ہے اور جس کے لیے اطاعت الٰہی ہی واحد راستہ ہے۔ لہٰذا مومن کی شان یہ ہے کہ بسط میں بھی شکر ادا کرے اور اطاعت گزار ثابت ہو۔ قبض میں بھی اللہ ہی کو پکارے۔ اور صبر و شکر کرے تو یہ حالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح صاحب حال لوگوں کو علم ہونا چاہیئے کہ احوال قلبی میں بھی ان صفات کا اظہار ہوتا ہے بسط میں وہ کمال منکشف ہو جاتے ہیں اور قبض میں اپنے مراقبات و مقامات تک کی سمجھ نہیں آ رہی ہوتی۔ مگر یہ دونوں حال وارد ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا بسط میں فخر کی ضرورت نہیں اور قبض میں مایوس ہونے کی بلکہ ہر دو حال مزید ذکر الٰہی کا تقاضا کرتے ہیں لیکن نادان انسان خود کو ان حالات میں الجھا کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور یوں بہت بڑا نقصان اٹھاتا ہے۔ آپ دیکھیں اگر بادشاہ مصروف ہے تو ایک خاکروب کے پاس بھی وقت نہیں۔ اگر اسے حکومتوں اور ممالک سے مقابلہ درپیش ہے تو اسے بہادری میں ناک رکھنی ہے اور یوں اس قدر الجھ جاتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی سے کہتے۔ ان پر کوئی خاص نشانی کیوں نہیں اترتی۔

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

یعنی ان کے خیال باطل میں آپؐ کا وجود پاک جو خود ایک معجزہ ہے بچپن لڑکپن اور جوانی کی ایک ایک ادا معجزہ ہے ذرا اس ماحول اور پس منظر کو دیکھیں اور پھر دریتیم کو جس کا ثانی ساری تخلیق میں نہیں پھر اللہ کی کتاب اور بے شمار معجزات مگر ان کو جیسے کچھ نظر ہی نہیں آیا اور ابھی کسی نشانی کا مطالبہ کر رہے ہیں فرماد یجئے کہ تم نے گناہ کر کے اللہ سے بات بگاڑ لی ہے۔ اور اس حد تک کہ اب اللہ کی طرف سے تمہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی تمہارے دل سیاہ ہو کر انابت سے خالی ہو چکے ہیں۔ اور اللہ تو انہیں ہدایت کی توفیق بخشتے ہیں جن کے دل میں انابت یعنی اللہ کو پانے کی آرزو پیدا ہو جائے۔ انسان کے بس میں تو صرف یہی فیصلہ ہے کہ اسے اللہ کریم کو پانا ہے یا دوسرے راستے پر چلنا ہے اور بس اگر اس نے دل کی گہرائی سے ان کہنا چاہا تو اللہ اسے اپنی راہ دکھا دیتے ہیں۔ پھر اسے نہ صرف ایمان نصیب ہوتا ہے بلکہ اس کے دل کو اللہ کے ذکر ہی سے قرار ملتا ہے یعنی ذکر الٰہی کے بغیر اس کے ہاں زندگی کا کوئی تصور نہیں رہتا اور یاد رکھو دلوں کا قرار ہے ہی صرف اللہ کی یاد میں جو اللہ کے ذکر سے محروم ہوں ان کے دلوں کو کبھی چین نصیب نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں ایمان مضبوط ہوتا ہے اور نیکی کی توفیق ارزاں ہوتی ہے عمل صالح کی توفیق ملتی ہے جس پہ ابدی راحتوں کا مدار ہے ایسے ہی لوگ خوش نصیب ہیں اور حسن انجام انہیں کو مبارک ہو۔

یہ چند حروف جو حافظے میں تھے لکھ دیئے ہیں پھر تو کل دن بھر مصروفیت رہی۔ بچوں کے ساتھ بازار جانا ہوا۔ اور عصر کے بعد اہلیہ عمرہ کرنے چلی گئیں مگر میں تھک چکا تھا نہ جا سکا شام کو پھر کر مقامات ملنے ملانے والوں نے ایک بجے تک مصروف رکھا کوئی دو گھنٹے آرام کیا اور تین بجے اٹھ گئے۔ بچوں کو تیار کیا آج انہیں واپس جانا تھا ساتھ احباب کو بھی جانا تھا۔ لہٰذا علی الصبح وہ چلے گئے۔ واپس آ کر سو گیا اب اٹھ کر غسل کیا یہ چند سطور لکھیں ہیں ظہر سوا بارہ بجے رہے ہیں۔ ڈیڑھ بجے ہوائی اڈے پہ جانا ہے اور شام ان شاء اللہ نیروبی جو افریقہ میں کینیا کا دار الخلافہ ہے۔

اب باقی باتیں ان شاء اللہ وہاں پہنچ کر ہوں گی تب تک اللہ حافظ۔

---

۲۳ فروری۔ نیروبی:

کل شام ۳۵-۳ پر جہاز جدہ کے ہوائی اڈہ سے اڑا اور بحر احمر کے اوپر سے پرواز کرتا ہوا نئے براعظم افریقہ میں داخل ہوا۔ اکثر بادلوں کی موٹی تہہ ہی نظر آتی رہی۔ جہاں کہیں بادل تھے۔ وہاں نیچے پہاڑ اور تقریباً ہر وادی میں دریا نظر آتے تھے ساڑھے تین گھنٹے کی پرواز کے بعد نیروبی پہنچا۔ ہوائی اڈے کی عمارت اگرچہ واجبی سی ہے اور شاید اس لیے واجبی سی نظر آتی ہے کہ جدہ اور خصوصاً ریاض جیسے ہوائی اڈے دیکھنے کے بعد تو تاثر یہی ہونا چاہیے۔ ورنہ بہت اچھی عمارت ہے ہاں رن وے وسیع ہیں حد نگاہ تک ہر طرف سبزہ ہی نظر آتا ہے۔ یہاں مغرب ہو رہی تھی۔ کالے عیسائیوں کی حکومت ہے مگر لوگ اچھے ہیں کسٹم اور امیگریشن والوں کا رویہ دوستانہ تھا یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ مجھے تو کبھی اپنے ملک میں یا پھر باہر کسی بھی ملک میں کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ یہاں عام لوگوں سے بھی کم از کم بات اچھے انداز سے کر رہے تھے۔ محمد سالم کچھ احباب اور کاروں کے ساتھ منتظر تھا۔ باہر آتے آتے مغرب بھی قضا ہو گئی کہ جہاز سے سامان کے آنے میں تو کچھ وقت ضرور لگتا ہے۔ بہر حال گاڑیوں میں بیٹھ شہر میں آئے اور ٹھکانے پہ پہنچ کر عصر، مغرب قضا کیں۔ عشاء پڑھی کھانا کھایا اور سو گئے جو معلومات کھانے پہ حاصل ہوئیں وہ یہ تھیں کہ ملکی آبادی میں تقریباً ۲۰ فیصد مسلمان ہیں اتنے ہی عیسائی باقی دوسری اقوام مذہبی آزادی ہے شہر میں بیس سے زائد خوبصورت مساجد ہیں اذانیں ہوتی ہیں اور لوگ کثرت سے نماز ادا کرتے ہیں تبلیغی جماعت کی طرف سے بہت دینی کام ہو رہا ہے شیعہ اور مرزائی بھی ہیں لوگ انگریزی خوب جانتے ہیں۔ یہاں کی اپنی زبان "سواحیلی" اور سکہ کینین شلنگ ہے جو تقریباً پاکستانی کرنسی کے برابر ہی ہے۔ علماء نے بہت سے مدرسے بنا رکھے ہیں اور اکثر لوگ عربی بھی خوب جانتے ہیں۔ ایشیائی تقریباً سب ہی اردو بھی جانتے ہیں بہر حال ماحول اچھا اور پر امن ہے۔ سیاحوں کی بھی بہت بھیڑ رہتی ہے اور تہذیب مغرب نے بھی بہت سے ساحلوں پر اپنی قباحت پھیلا رکھی ہے۔ اب یہ فرد پر منحصر ہے کہ وہ مسجد کا رخ کرتا ہے یا ساحل سمندر کا اس ملک کی جنگلی زندگی بھی قابل دید ہے کل کا دن ادا کر حادن پرسوں کا ہے دیکھیں اگر موقع ملا

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

تو جو دیکھا لکھ دیں گے۔

آج صبح فجر ادا کرنے مسجد میں گئے تو درس قرآن کا موقع نصیب ہوا۔ یہاں لوگ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر آرام کرتے ہیں اور اٹھ کر ناشتہ کر کے ۸ بجے کام پر پہنچ جاتے ہیں۔ ان ممالک میں بیکار رہنے کا تصور کم ہے۔ ہاں ہم مہذب لوگ اس مصیبت میں گرفتار رہتے ہیں۔ اس لیے فجر کے بعد لوگ کم بیٹھتے ہیں۔ مگر الحمد للہ لوگ بیٹھ گئے اور میں نے بھی کوشش کی کہ زیادہ وقت نہ لوں تاکہ بات بھی ہو جائے اور کسی پر بوجھ بھی نہ ہو لہذا مناسب وقت ہی لیا۔ سورہ یونس کی آیت نمبر ۲۳ کا آخری حصہ تلاوت کیا۔ جس کا مفہوم یوں ہے کہ اے انسانو اگر تم اللہ کے حکم سے بغاوت کرتے ہو تو اس کا وبال تم ہی پر پڑتا ہے کہ حیات دنیا تو لمحاتی بات ہے اور تمہیں اس کے روبرو پلٹ کر جانا ہے۔ جہاں وہ تمہیں تمہارے ہی اعمال کی خبر دے گا۔ تو اسلام اور دین حق نے اولاد آدم پر محض رسومات کا بوجھ نہیں ڈالا بلکہ دنیا میں رہنے کا بہترین اور آسان طریقہ تعلیم فرما دیا جس کے مقابلے میں مذاہب باطلہ کو دیکھا جائے تو انہوں نے ایسی ایسی رسومات مذہب کے نام پر ایجاد کیں جن میں انسان مزید بوجھ تلے دب جاتا ہے اور زندگی مشکل ہو جاتی ہے مگر اسلام نے بنیادی طور پر فرمایا کہ دنیا میں سب کچھ تمہارے ہی لیے پیدا فرمایا گیا ہے۔ لہذا اس سے فائدہ اٹھاؤ آرام حاصل کرو پھر کچھ چیزوں سے روک دیا وہ چیزیں سائنس کی نظر سے بھی انسان کے لیے نقصان دہ ثابت ہو رہی ہیں۔ کچھ کاموں سے روکا وہ کام ایسے ہیں جن میں دوسروں کے حقوق پر زد پڑتی ہے۔ لہذا اسلام نے کسی کام سے روکا نہیں بلکہ ہر کام کو کرنے کا ایک سلیقہ دیا ہے۔ اور یہ عین انسانی مزاج کے مطابق ہے۔ جیسے جوتا ایک معمولی چیز ہے ہم ہر وقت استعمال کرتے ہیں مگر بنانے والے نے جو دائیں پاؤں کے لیے بنایا اسے دوسرے پاؤں میں ڈالیں تو تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ راحت تب ہی ہے جب بنانے والے کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق استعمال کریں تو اتنی وسیع کائنات میں رہنے بسنے کے لیے اور اس کی بیشمار نعمتوں کو استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے بنانے والے کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق اسے استعمال کریں اور یہی اسلام ہے۔ اب جس نے اسقدر نعمتیں عطا فرمائیں اتنا احسان فرمایا جب یہ شعور نصیب ہوتا ہے تو لامحالہ اس کا شکر ادا کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اس کے لیے عبادات کا حکم عطا فرما دیا اسی لیے یہاں ارشاد ہوا کہ اگر کوئی اللہ کے قانون سے بغاوت کرتا ہے تو اللہ کا یا اللہ کے دین کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ الٹا اس کا اپنا نقصان ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں بھی اپنے لیے پریشانیاں پیدا کر لیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس جہالت میں گرفتار ہو کہ اس نے بہت دنیا جمع کر لی یا بڑا فائدہ حاصل کیا حالانکہ ایسا ہوتا نہیں ملتا وہی ہے جو اللہ کریم دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی دنیا کی حیات تو چند روزہ ہے آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں تو اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں اور اخروی زندگی کی ابتدا رہی اس بات پہ ہے کہ آپ کو واپس اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور وہاں وہی بات سامنے آجائے گی لہذا یہ انسانیت کی ضرورت ہے کہ وہ اطاعت الٰہی اختیار کرے جو سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہے۔ اللہ کریم ہمیں اور سب مسلمانوں کو اس کی توفیق ارزاں فرمائیں۔ آمین۔

۴ فروری:

کل کا دن تو بس آرام ہی کرتے رہے۔ عصر کے بعد نیروبی شہر کے دیکھنے نکلے موٹر میں چکر لگایا مقامی آبادی کا رنگ کالا اور لباس انگریزی ہے کہ یہ بھی انگریزی تسلط سے ۱۹۶۳ء میں آزاد ہو سکے ہیں۔ مگر اب ملک بہت سنبھل چکے ہیں۔ شہر خوبصورت عمارات اور کشادہ سڑکوں، سرسبز پارکوں اور بیشمار کاروں سے بھرا ہوا ہے۔ اگرچہ بازار ۵ بجے بند ہو جاتے ہیں۔ مگر لوگوں کے ہجوم خصوصاً منی اور لوکل بسوں کے سٹاپ پر بہت نظر آئے۔ بڑی بلند اور جدید عمارتیں ہیں۔ مشہور بین الاقوامی ہوٹلوں کی بہت بڑی بڑی عمارتیں بھی وسط شہر میں ہیں۔ ہلٹن ہوٹل کی عمارت تو حبیب بنک پلازہ کراچی کی مانند ہے۔ اسمبلی کی عمارت اور ایک کانفرنس ہال جس کی عمارت پرانی افریقی جھونپڑیوں کی طرز پہ بنائی گئی ہے۔ گول مول اور ۳۴ منزل بلند ساتھ چھتری کی طرح مخروطی چھت والی تقریباً ۱۲ منزلہ مگر دونوں جدید شیشے کی

http://khnooz-e-dil.blogspot.com/

بنی ہوئی قدیم اور جدید کا حسین امتزاج ہیں۔ چار رکانی، فروٹ سبزی سب کی الگ منڈیاں جو برآمد بھی کرتی ہیں اپنی اپنی الگ عمارت رکھتی ہیں۔ ہاں شہر کے ایک طرف ریلوے سٹیشن، لاہور ریلوے سٹیشن جیسا ہے، غالباً انگریز نے بنایا ہوگا۔ ہر رنگ ہر قد کاٹھ اور ہر نسل کی کار نظر آتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اب کاروں کی درآمد بند ہے۔ اور اندرون ملک اسمبل کی جاتی ہیں۔ بڑی بڑی خوبصورت مساجد ہیں۔ شہر کے وسط میں جامع مسجد بہت خوبصورت ہے۔ جو سعودیہ نے بنائی ہے اور ساتھ ایک عمارت بنا کر اس میں سعودی ایئر لائنز کا دفتر بنا دیا ہے۔ جس کا کرایہ مسجد کو آتا ہے۔ اس طرح سعودی حکومت بھی یہاں علماء اور مساجد کی بہت خدمت کر رہی ہے۔ یہ سعودی ائیر لائن بھی عجیب شے ہے۔ اندرون ملک بڑی شریف مگر جیسے ہی جدہ سے نیروبی کے لیے جہاز اڑا تو انگریز کپتان نے فلم لگا دی غالباً اتنی فحش فلم یورپ کے سفر میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ اور یہ ہمارا سعودیہ کے ساتھ آخری سفر تھا۔ اس دورے میں اب ہم یہاں سے متحدہ عرب امارات اور وہاں سے وطن اپنی P-I-A سے سفر کریں گے۔ انشاء اللہ۔ شیعہ بھی ایرانی انقلاب کے بعد بہت متحرک ہیں اور روپے سے لوگوں کا ایمان خریدتے ہیں کوشاں رہتے ہیں۔ امام باڑہ بھی بنا رکھا ہے۔ اسمعیلیوں کا جماعت خانہ بھی ہے۔ سکھوں کا گوردوارہ بھی۔ شام مسجد میں بیان ہوا۔ تو ایک صاحب چند منٹ کے لیے اپنے ساتھ گھر لے گئے وہ یہاں سرکاری سکول میں انگریزی شعبہ کے سربراہ ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ تعلیم میں مذہب، لازمی مضمون ہے مگر صرف دو مذاہب کا نصاب ہے اسلام اور عیسائیت جو دونوں نہ لینا چاہے اسے اخلاقیات کا مضمون لینا پڑتا ہے۔ مگر ان تین میں سے ایک ضروری لینا ہوتا ہے۔ انہوں نے خود دو کتابیں مذہب اسلام کے بارے انگریزی میں لکھی ہیں۔ جو داخل نصاب ہیں اور یہاں سکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ پاکستانی اور جہلم شہر کے رہنے والے ہیں۔ بہر حال یہ تھوڑا سا خاکہ شہر کا لکھا ہے کل انشاء اللہ وائلڈ لائف پارک دیکھنے کا ارادہ ہے جو اس ملک میں کئی ہیں۔ مگر قریب ترین ۲۹ میل پر ہے جو نسبتاً چھوٹا ہے۔ ہم وہاں تک ہی پہنچ پائیں گے۔ یہاں سے ۱۴۰ کلومیٹر

دوسرا بڑا شہر ممباسا ہے جو کہتے ہیں کراچی کی طرح بڑا شہر ہے۔ اور مسلمان اکثریت وہاں آباد ہے۔ بحمد اللہ مسلمان خوشحال اور بیشتر کاروباری ہیں نماز کے اوقات میں مساجد کے ساتھ کار پارک کاروں سے بھر جاتے ہیں جس سے خوشی ہوتی ہے۔ ہم پھرتے پھراتے مغرب سے پہلے مسجد میں پہنچ گئے اور مغرب کے بعد بیان ہوا تزکیہ نفس موضوع تھا۔ کافی لمبا بیان ہوا۔ لوگوں نے دلچسپی سے سنا اور کچھ بے تکلفی ہوئی۔ سورۃ اعلیٰ کی ۱۴ اور ۱۵ نمبر آیات کی تلاوت کی جن کا مفہوم ہے کہ جسے تزکیہ نصیب ہوا وہ فلاح پا چکا اور اسے رب کے نام کا ذکر نصیب ہوا۔ اور توفیق عبادت بھی۔ اگرچہ بیان تو گھنٹے سے زیادہ پہ پھیلا ہوا تھا مگر یہاں خلاصہ ہی عرض کر سکوں گا۔ تو یہ مضمون خطبہ مسنونہ کے بعد عرض کیا کہ آیہ مبارکہ میں کامیابی کی اطلاع ماضی میں فرمائی گئی۔ یہ انداز بات کی قطعیت کو عیاں کرنے کے لیے ہوتا ہے اور انسانی زندگی کا محور کامیابی ہی ہے۔ ہر انسان کامیابی کے حصول کے لیے سرگرداں ہے فرق یہ ہے نادانی سے کامیابی اپنی رائے سے مقرر کر لیتا ہے اور اس کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے۔ اسی لیے مختلف افراد کی رائے میں کامیابی کے معیار بھی مختلف ہیں مگر حقیقی کامیابی وہی ہے جسے اللہ کریم کامیابی قرار دیں اور جسے قرآن کریم فلاح کہتا ہے یا ایسی ہمہ گیر کامیابی ہے کہ ذاتی امور سے لے کر خاندانی قومی، دنیاوی، اخروی حتیٰ کہ میدان حشر تک کو محیط ہے کہ جس نے تزکیہ حاصل کر لیا۔ اسے یہ ہمہ گیر کامیابی حاصل ہو گئی۔ تزکیہ کیا ہے یہ دل پر وارد ہونے والی ایک کیفیت کا نام ہے۔ جس کی اصل ذات پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ جہاں یہ دولت لٹائی گئی کہ ایمان لا کر جسے اک نگاہ نصیب ہو گئی۔ اسے تزکیہ میں وہ درجہ کمال حاصل ہو گیا کہ وہ صحابی کہلایا اگر صحبت عالی میں نہ پہنچا تو بھی نیک صالح غازی، شہید سب کچھ بن سکا۔ مگر صحابی نہ بن سکا تو یہ ایک انعکاسی عمل تھا جو صرف صحبت سے نصیب ہوتا تھا اور صحابی ایک ایسے بلند مقام کا نام ہے۔ جو تمام کمال اوصاف میں بعد از نبی ساری امت سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ لوگوں نے اعتراض کے لیے بھی لب کھولنے کی جرأت کی ہے۔ مگر یہ سخت نادانی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ حکومتوں پہ کس قدر تنقید ہوتی ہے۔ مگر ناقدین کو اگر حکومت دی جائے تو چند روز نہ چلا نہیں سکتے۔ اس کے باوجود ان کا حکومت

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

میں آنا ممکن تو ہے اور صحابی وہ بلند درجہ ہے کہ جنہیں مل گیا مل گیا وصال نبوی کے بعد ساری دنیا مل کر کسی کو صحابی بنانا چاہیے تو ممکن ہی نہیں پھر ایسے چیدہ اور پسندیدہ حضرات اور کتاب اللہ کے مثالی مسلمانوں پر لب کشائی بہت ہی ناروا حرکت ہے۔ کرنیوالے کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ ذرا حد ادب سے بڑھا اور مارا گیا۔ یہ تھا تزکیہ اور اس کی بدولت انہیں اللہ کا ذکر یوں نصیب ہو جاتا تھا کہ قرآن کے مطابق ان کی کھال سے لے کر دل تک ہر جزو بدن ذاکر ہو گیا وصال نبوی کے بعد صحابی کی صحبت نے تابعی پیدا کئے۔ ان کی مجالس میں پہنچنے والے تابعی قرار پائے یعنی دلوں سے دلوں کو یہ نور منتقل ہوتا رہا اور جس طرح دین کے مختلف شعبے تھے اور اللہ نے مختلف حضرات سے ان میں خدمت لی۔ جیسے تفسیر حدیث فقہ ایسے ہی اللہ کے بندوں نے اس کمال کو حاصل کرتے اور آگے پہنچانے میں عمریں صرف کیں اور یہ تصوف کہلایا یاد رہے ہر فن کے ائمہ اس کمال سے بھی بہرہ ور ہوا کرتے تھے اب نادانی سے ہم نے اعمال کو ذکر کا قائم مقام سمجھ کر ذکر الٰہی کا اہتمام تقریباً چھوڑ ہی دیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اگرچہ نماز جہاد حج انفاق سب نیک کام بھی ذکر الٰہی ہیں۔ مگر کتاب اللہ میں ان سب امور کے ساتھ ذکر الٰہی کا حکم موجود ہے۔ حتیٰ کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ذکر الٰہی کا حکم موجود ہے۔ جس کا آپؐ اہتمام بھی حد درجہ فرماتے تھے پھر کسی کو اس سے استثنار کیسے ہو سکتا ہے۔ تزکیہ کا پھل ذکر الٰہی ہے تو اس کا نتیجہ بھی ذکر الٰہی ہے لہٰذا مشائخ کی صحبت میں بیٹھ کر قلبی توجہ حاصل کرنا اور ذکر کرنا ہماری بنیادی ضرورت ہے کہ ہم جو کام بھی کریں اس میں حضور الٰہی نصیب ہو۔ اور امور دنیا بھی عبادت قرار پائے۔ اللہ یہ نعمت نصیب فرمائے۔ یوں دیر سے پلٹے کھانے کے بعد ذکر کیا، مقامی ساتھی بھی شریک محفل تھے۔ اللہ کریم ان سب کے سینے منور فرمائے آمین۔

اور آج انشاءاللہ مغرب کے بعد پھر بیان ہے کچھ مصروفیات دن میں بھی ہیں جو اللہ کریم کو منظور ہو گا۔ ہاں اگر اس خادم کا تذکرہ نہ کروں تو بات پوری نہ ہو گی جو یہاں میزبان کی طرف سے ہمارے ساتھ ہے۔ رنگ بھی کالا ہے تو مسلم بھی ہے اور نام بلال ہے۔ سبحان اللہ اسے بلاتے ہیں بھی لطف آجاتا ہے اور بہت محبت سے پیش آتا ہے رات سے ذکر میں شامل ہو گیا ہے۔ ابھی ابھی آیا تھا کہ دھونے کے لیے کپڑے دیدو میں نے کہا نہیں ہیں۔ پھر کہنے لگا میرے لیے دعا کرتے رہا کرو مجھے خبر ہے اللہ مجھے دنیا میں لایا ہے اور پھر اس کے پاس لوٹ

ناظم اعلیٰ کا نیا پتہ

کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسن صاحب
ادریسیہ سوسائٹی۔ پوسٹ بکس نمبر ۵۱۲۶۔ ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔

(کرنل صاحب اسی ماہ مستقل طور پر تبدیلی مکان کر رہے ہیں۔ اس لیے آئندہ خط و کتابت نئے پتے پر کیجیے۔ پرانا فون نمبر بھی بند ہو جائے گا۔ نیا فون فی الحال نہیں ملا ہے)

آئندہ کے پروگرام

- دورہ گلگت: ۴ مارچ سے ۹ مارچ ۸۹ء تک
- دورہ پشاور: (بعد از عید الفطر) ۸ مئی سے ۱۱ مئی ۸۹ء تک۔
- دورہ دوبئی، ابوظہبی: ۱۶ مئی سے ۱۹ مئی تک (قیام ۳ رات)
- دورہ انگلستان: ۱۹ مئی سے ۳۱ مئی تک۔ (قیام ۱۵ رات)
- دورہ امریکہ اور کینیڈا: یکم جون سے ۱۵ جون تک (قیام ۱۵ رات)
- واپسی دارالعرفان ۱۶ جون کو متوقع ہے۔
- ہفت روزہ اجتماع دارالعرفان: ۱۶ جون کو شروع ہو کر ۲۳ جون کو ختم ہو گا جس کے آخر میں حاضری مرشد آباد ہو گی۔
- دورہ کوئٹہ: ۴ جولائی سے ۸ جولائی تک۔

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

گر جانا ہے۔ سبحان اللہ کیا مزے کی بات کی ہے۔ تو وہ چائے لیکر آگیا۔ اب اجازت میں چائے پی لوں پھر بعد میں جو ہوا لکھنے کی کوشش کروں گا۔ انشاء اللہ۔

۵۔ فروری۔

کل ظہر کے بعد ایک مدرسے میں حاضری دی۔ وہاں کے مہتمم صاحب نے وقت لیا تھا یہ مدرسہ بچیوں کے لیے ہے جہاں عربی زبان اور دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بچیاں مدرسے میں ہی رہتی ہیں جنکی تعداد ۴۵ ہزار ہے تھی، ساتھ مسلم خواتین بھی جمع تھیں۔ بیان ہوا کرنل صاحب ساتھ نوٹس لیتے گئے اور پھر سارا انگریزی میں دہرا دیا جو امید ہے المرشد کے انگریزی سیکشن میں آپ دیکھ سکیں گے۔ لہذا یہاں لکھا نہیں جا رہا۔ مغرب کے بعد مسجد میں بیان تھا۔ معیت رسالت اور اس کے اثرات ظاہری اور باطنی طور پر یہ بھی ایسی بات ہے جو اکثر دہرائی جاتی ہے۔ اگرچہ انداز تو ہر بار نیا ہوتا ہے کہ اللہ کریم کی طرف سے ہوتا ہے مگر نفس مضمون آپ بارہا سن چکے ہوں گے۔ یا پڑھا بھی ہو گا۔ لہذا یہ بھی نہیں لکھ رہا اب تہجد کا وقت ابھی باقی ہے۔ اور آج بہت دوپہر ہمیں ابوظہبی کیلئے روانہ ہونا ہے یہاں سے ہماری پرواز بھی ۸ ۔ ۳ P.M کے ساتھ ہے۔ لہذا بعد نماز فجر وائلڈ لائف پارک دیکھنے کا ارادہ ہے جس کا باقاعدہ اہتمام ہو چکا ہے۔ ہمارے میزبان صاحب بہت اچھے انسان ہیں انہوں نے ایک ٹورسٹ ایجنٹ سے سب کچھ طے کر رکھا ہے۔ اب ہمارا جانا وہاں دیکھنا اور آپ احباب کے لیے لکھنا باقی ہے۔ اللہ کریم سے خیر ہی کی امید ہے۔

نماز اور ناشتہ کے بعد شہر سے باہر پارک دیکھنے چلے گئے سب سے پہلے شہر کا پچھلا پاسا BACK SIDE دیکھا سامنے جس قدر خوشحالی ہے اس سے کئی گنا زیادہ مفلسی دوسری طرف ہے۔ رہنے کے گھر کا سوچنا غریب کے بس کی بات نہیں۔ گتے کا جھونپڑا اگر مٹی کی دیوار پر ٹین کی چھت میسر آگئی تو بہت اعلیٰ گھر ہے۔ راستے نہ صرف کچے سخت گندے بھی ہیں۔ سکہ پاکستانی روپے کے برابر ہے۔ مگر مہنگائی کم از کم پانچ گنا زیادہ۔ ایک کپ چائے ۵ شلنگ یعنی روپے۔ گھی ۱۰۰ روپے سیر۔ پیٹرول ۱۱ روپے لیٹر یہی حال کپڑے اور جوتے کا ہے۔ سستا جوتا ۳۰۰ روپے تک ہے۔ درمیانی طبقہ نہیں ہے۔ اس لیے سائیکل یا موٹر سائیکل رکشہ ٹانگا کچھ نہیں، کار یا بس اور ریل یا پیدل اربابِ بست وکشاد کو باہر سے بھی بہت دولت ملتی ہے مگر لوگوں کی عادتیں بگاڑنا نہیں چاہتے۔ لہذا باہر سے باہر ہی اپنے ذاتی حسابات میں منتقل کر دیتے ہیں۔ ہر محکمہ خیرات کی طرح رشوت طلب کرتا ہے جو بڑی شریفانہ ہوتی ہے یعنی ۱۰۰ ۔ ۲۰۰ میں کام کرایا جا سکتا ہے، ہماری طرح رشوت میں مہنگائی نہیں۔ پھر پارک دیکھا۔ سینکڑوں میل پر پھیلا ہوا قدرتی پارک خوبصورت ہرنوں جنگلی پرندوں، زرافوں، جنگلی بھینسوں اور مختلف درندوں سے اٹا پڑا ہے۔ اندر کچھ سڑکیں ہیں۔ جو دیکھنے والے استعمال کرتے ہیں، کافی مہنگا ٹکٹ ہے۔ ہم نے آج واپس جانا تھا لہذا زیادہ تو نہ پھر سکے بس چار پانچ گھنٹے میں جو ہو سکا پھر لیا۔ واپسی پہ چڑیا گھر ہے اکثر درندے جن سے پارک میں ملاقات نہ ہو سکی تھی وہاں دیکھ کر حسرت پوری کی اور اب گیارہ بجے دن گھر پہنچے ہیں۔ ذرا دم لیں گے۔ ظہر ہو گئی اور کھانا کھا کر ہوائی اڈے کو چلیں گے۔ آج خیر سے اپنی ہوائی کمپنی ہو گی ۸ ۔ ۳ P.M اور ہم ابوظہبی جا اتریں گے۔ مگر اب میں مزید کچھ نہ لکھوں گا۔ کہ بہت لکھا ہے پھر وہاں احباب لکھنے والے بھی ہوں گے ریکارڈ کرنے والے بھی۔ انشاء اللہ۔

لہذا میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں اور اللہ کریم کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ایک جانکاہ حادثے کے بعد اس قدر جلد اپنے کرم سے نوازا کہ اتنے طویل سفر کو اختیار کیا گیا اور سب کام بحسن و خوبی ہوتے رہے۔ آئندہ بھی اسی کے کرم کی امید ہے۔

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

دیارِ غیر میں

حضرت مولانا محمد اکرم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنہَونَ عَنِ المُنکَرِ وَتُؤمِنُونَ بِاللہِ ...... ذٰلِکَ بِمَا عَصَوا وَّکَانُوا یَعتَدُونَ۔

میں نے پچھلے سال بین الاقوامی دورے سے واپسی پر تقریباً مغرب کے خدوخال کا سارا نقشہ آپ احباب کے سامنے رکھا تھا اور مغرب میں ابھی تک کچھ بھی نہیں بدلا۔ اگر آپ کو یاد ہو تو المرشد میں شائع بھی ہو گیا تھا۔ تو بجائے اس کے کہ اس کو میں دہراؤں آپ اگر یادیں تازہ کرنا چاہیں تو پھر سے اسے دیکھ لیں۔

آپ جونہی سمندر عبور کر کے برطانیہ کی سرحد سے شروع ہوتے ہیں تو قطب شمالی تک چلے جائیں یا پھر آپ شمال میں اس پورے امریکہ سے ہوتے ہوئے اگر جاپان جائیں واپس بھی آنا چاہیں تو بشمول ہانگ کانگ برما وغیرہ آپ چین کو بھی شامل کر سکتے ہیں۔ روس کو بھی شامل کر سکتے ہیں، وسط ایشیا کو بھی شامل کر سکتے ہیں۔ پھر یورپ میں آجایئے کہ یہ ساری خلق خدا لباس صرف سردی سے بچنے کے لیے پہنتی ہے کسی شرم وحیا کے لیے نہیں اور آپ اندازہ کر لیں کے اس کرۂ ارض پر کتنی مخلوق بستی ہے۔ یہ سارے ممالک سرد ہیں تقریباً خطِ سرطان سے سارے اوپر اوپر ہیں اور یہاں گرمیوں میں بھی ٹھنڈ ہوتی ہے۔ سردیوں میں برف ہی برف ہوتی ہے تو برف کا موسم ہوتا ہے۔ یہ لوگ برف کی سردی سے بچنے کیلئے لباس استعمال کرتے ہیں۔ کسی انسانی ضرورت، انسانی معیار یا شرم و حیا کی کوئی دیوار ان کے راستے کی دیوار نہیں ہے۔ اب یہ بیماری صرف وہاں نہیں ہے۔ اب یہ بیماری ہمارے مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں اپنی پوری قوت اور پورے زور سے داخل ہو چکی ہے۔

اس سال پہلی دفعہ دوبئی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہ قدِ آدم بورڈ دیکھا جس پہ مغربی طرز کے (BEACH) بیچ کا فوٹو لگا ہوا تھا اور اس پہ لکھا ہوا تھا THIS IS DUBAI.

شاید اکثر دوست بیچ سے نہ سمجھ سکیں۔ بیچ سے مراد سمندر کا وہ ریتیلا کنارہ ہوتا ہے جہاں مغربی لوگ بلا تفریق جنس، بغیر عمر کی قید کے بالبغیر کسی لباس کے دن بسر کرتے ہیں۔ نہاتے دھوتے ہیں، دھوپ میں ریت پہ لیٹتے ہیں، اٹھکیلیاں کرتے ہیں اور وہ اس جگہ کو BEACH کہتے ہیں۔ ہر طرح کے لباس، ہر طرح کی شرم وحیا سے آزاد، باپ بھی ہوتے ہیں، بیٹیاں بھی ہوتی ہیں، بہنیں بھی ہوتی ہیں، بھائی بھی ہوتے ہیں، بیویاں بھی ہوتی ہیں۔ خاوند بھی ہوتے ہیں اور کوئی کسی کا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پہلی دفعہ یہ چیز دوبئی میں دیکھی ہے۔ اور یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔

چونکہ سارے مشرقِ وسطیٰ میں بحرین ایک ایسا علاقہ تھا جس میں یہ چیز تھی اور وہ جزیرہ نمائے عرب سے کٹا ہوا ایک جزیرہ تھا۔ اس میں یہ ساری فحاشی بھی تھی۔ جوئے خانے بھی تھے۔ شراب کی آزادی بھی تھی اور جنس کی آزادی بھی تھی لیکن اب وہ اس سے آگے بڑھ گئی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کہ ہم مغربی اقوام یا غیر مسلم اقوام یا یہود و نصاریٰ کی بات کرتے رہیں۔ میرے خیال میں ہمیں سب سے پہلے مسلمان قوم کا جائزہ لینا ہے۔ اپنے آپ کو پرکھنا ہے۔ اپنے متعلق صحیح اندازہ قائم کرنا ہے کہ ہم کون ہیں؟ ہمیں کہاں ہونا چاہیئے؟ ہم کس جگہ کھڑے ہیں۔

آج میرا جی چاہتا تھا کہ

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

میں اپنا تعارف تلاش کروں کہ ہم کون ہیں۔ اور قرآن حکیم کی نگاہ میں ہمیں کہاں کھڑا ہونا چاہیئے اور قرآن کی توقع ہم سے کیا ہے۔

قرآن حکیم، ہماری بات، جب ہم سے مخاطب ہو کر کرتا ہے تو سب سے پہلے ابتدا ہی اس کلمہ خیر سے کرتا ہے کہ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ تم بہترین قوم ہو، دنیا میں کوئی قوم تمہاری مثال نہیں ہے۔ دنیا میں جتنی اقوام بستی ہیں، قومیں بستی ہیں، لوگ بستے ہیں، تہذیبیں ہیں، معاشرے ہیں، رواجات ہیں، طرز ہائے زندگی ہیں۔ ان سب میں باعتبار عقیدے، عمل، معاشرت اخلاق کے ہر پہلو سے تم بہترین قوم ہو۔ اس لیے أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کہ تمہیں اللہ نے پیدا ہی دوسروں کے لیے کیا ہے۔

ایک گاڑی ہم بناتے ہیں جو خود چلتی ہے۔ ایک گاڑی بنائی جاتی ہے جو دوسری گاڑیوں کو کھینچ کر لانے کے لیے ہوتی ہے وہ کھینچ کر لانے والی اس دوسری سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ ہم کوئی بھی چیز دنیا کی بناتے ہیں دوسروں کے کام وہ تب آتی ہے جب وہ اُن اوصاف میں ان سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے

مسلمان بحیثیت ایک قوم، ایک امت کے ساری کائنات، ساری اقوام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تو تخلیقی، بنیادی طور پر ہر قوم سے اسے بہتر ہونا چاہیئے۔ تب یہ دوسروں کا سہارا بن سکے گا۔ اگر یہ خود کمزور ہے تو دوسروں کو سہارا کیا دے گا۔ دوسروں کا ہم نے کیا سنوارنا ہے۔ کیا ہم نے ان کے لیے کھانے پینے کا انتظام کرنا ہے۔ کیا ہم نے ان کے مکان بنانے ہیں۔ کیا ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ان کی حفاظت کریں۔ ہم نے ان کا کرنا کیا ہے۔

فرمایا تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ تمہارے ذمہ ہے کہ تم دنیا بھر کی اقوام کو نیکی کا سبق دو۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم دنیا کے ہر فرد کو برائی سے روکو۔ اگر ہم یہ کریں، اگر ہم میں قوت پیدا ہو جائے کہ ہم دوسری اقوام کو نیکی کی طرف دعوت دے سکیں، انہیں برائی سے روک سکیں تو ہمیں اللہ کریم سے کیا ملے گا۔ فرمایا۔

تمہارا میرے ساتھ ایمان مضبوط ہو جائے گا تم میرے بندے بن سکو گے، تمہیں میری ذات پہ یقین کامل نصیب ہو جائے گا تم اب اس کو آپ الٹ پڑھنا شروع کریں تو کیا ہوگا کہ اگر ہم نیکی کا حکم کرنا چھوڑ دیں گے تو اگر ہم برائی سے روکنا چھوڑ دینگے تو ہمارا اپنا ایمان متزلزل ہو جائے گا۔

اس سے پیچھے چلیں تو فرمایا تمہارا مصرف ہی یہ ہے تمہیں پیدا ہی دوسروں کے لیے کیا گیا ہے۔ تمام قوموں نے اپنے لیے، اپنی قوموں کے لیے، اپنے ممالک کے لیے یا اپنی معاشرت کیلئے اپنی تہذیب کے لیے زندہ رہنا ہے۔ لیکن تمہیں اللہ کے لیے اللہ کے دین کے لیے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ کی کتاب کے لیے۔ اللہ کے احکام کے لیے، اللہ کی مخلوق کیلئے زندہ رہنا ہے تو تمہارے جینے میں اور دوسرے انسانوں کے جینے میں ایک بنیادی فرق ہے۔ ہر فرد کو اپنے لیے جینا ہے اپنے بچوں کے لیے جینا ہے۔ زیادہ سے زیادہ سوچے گا تو اپنی قوم کیلئے سوچے گا۔ اپنے ملک کے لیے سوچے گا، لیکن تمہیں ساری انسانیت کے لیے زندہ رہنا ہے۔ اور اگر یہ نہیں کرو گے تو پھر تم خیر امت نہیں کہلا سکو گے۔ چونکہ خیر امت کا تو مصرف ہی یہی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ جو چیز اپنے مصرف کی نہیں رہتی۔ ہم کرسی بناتے ہیں جب اس کی سیٹیں اکھڑ جاتی ہیں۔ ٹانگیں ٹوٹ جاتی ہیں تو وہ سٹور میں پھینک دی جاتی ہے۔ بالآخر چولہے میں پھینک دی جاتی ہے برتن ٹوٹتے ہیں کسی کام کے نہیں رہتے۔ بالآخر کباڑی سے ہوتے ہوتے پھر بھٹیوں میں پگھلا دیئے جاتے ہیں۔ دھاتیں دھات بن جاتی ہیں۔ کپڑے پھٹتے ہیں کسی کام کے نہیں رہتے تو پھر آخر پھینک دیئے جاتے ہیں۔ ردی میں چلے جاتے ہیں۔ جلا دیئے جاتے ہیں۔ ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ ہم بھی اگر کسی مصرف کے نہیں رہیں گے تو ردی بن جائیں گے کوڑے میں پھینک دیئے جائینگے ذلت اور رسوائی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

اور آج آسٹریا سے لیکر فلسطین تک دیکھ لو کہاں عزت ہے مسلمانوں کے پاس۔ آپ کہتے ہیں مغربی اقوام مسلمان کی عزت نہیں کرتے۔ میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ مسلمان کی اپنے گھر میں کوئی عزت نہیں ہے اگر مسلمان کی امریکن عزت نہیں کرتے تو مسلمان کی پاکستان میں کیا عزت ہے۔ کسی اور ریاست میں کیا عزت ہے۔ میں نے تو چپہ چپہ پھر کر دیکھا ہے مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔ کسی جگہ پہ اس بنیاد پہ میں نے کسی شخص کو یہ سکون نہیں پایا کہ یہ مسلمان ہے اس کا احترام کیا جائے۔ کسی مسلمان ریاست میں شاید اس لیے کہ ہم اس پائے کے مسلمان رہے ہی نہیں، جس پائے کا مسلمان عزت کا مستحق ہوتا ہے۔

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

میں اپنا تعارف تلاش کروں کہ ہم کون ہیں۔ اور قرآن حکیم کی نگاہ میں ہمیں کہاں کھڑا ہونا چاہیئے اور قرآن کی توقع ہم سے کیا ہے۔

قرآن حکیم، ہماری بات، جب ہم سے مخاطب ہو کر کرتا ہے تو سب سے پہلے ابتدا ہی اس کلمہ خیر سے کرتا ہے کہ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ تم بہترین قوم ہو، دنیا میں کوئی قوم تمہاری مثال نہیں ہے۔ دنیا میں جتنی اقوام بستی ہیں، قومیں بستی ہیں، لوگ بستے ہیں، تہذیبیں ہیں، معاشرے ہیں، رواجات ہیں، طرز ہائے زندگی ہیں۔ ان سب میں باعتبار عقیدے، عمل، معاشرت اخلاق کے ہر پہلو سے تم بہترین قوم ہو۔ اس لیے أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کہ تمہیں اللہ نے پیدا ہی دوسروں کے لیے کیا ہے۔

ایک گاڑی ہم بناتے ہیں جو خود چلتی ہے۔ ایک گاڑی بنائی جاتی ہے جو دوسری گاڑیوں کو کھینچ کر لانے کے لیے ہوتی ہے وہ کھینچ کر لانے والی اس دوسری سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ ہم کوئی بھی چیز دنیا کی بناتے ہیں دوسروں کے کام وہ تب آتی ہے جب وہ اُن اوصاف میں ان سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے

مسلمان بحیثیت ایک قوم، ایک امت کے ساری کائنات، ساری اقوام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تو تخلیقی، بنیادی طور پر ہر قوم سے اسے بہتر ہونا چاہیئے۔ تب یہ دوسروں کا سہارا بن سکے گا۔ اگر یہ خود کمزور ہے تو دوسروں کو سہارا کیا دے گا۔ دوسروں کا ہم نے کیا سنوارنا ہے۔ کیا ہم نے ان کے لیے کھانے پینے کا انتظام کرنا ہے۔ کیا ہم نے ان کے مکان بنانے ہیں۔ کیا ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ان کی حفاظت کریں۔ ہم نے ان کا کرنا کیا ہے۔

فرمایا تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ تمہارے ذمہ ہے کہ تم دنیا بھر کی اقوام کو نیکی کا سبق دو۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم دنیا کے ہر فرد کو برائی سے روکو۔ اگر ہم یہ کریں، اگر ہم میں قوت پیدا ہو جائے کہ ہم دوسری اقوام کو نیکی کی طرف دعوت دے سکیں، انہیں برائی سے روک سکیں تو ہمیں اللہ کریم سے کیا ملے گا۔ فرمایا۔

تمہارا میرے ساتھ ایمان مضبوط ہو جائے گا تم میرے بندے بن سکو گے، تمہیں میری ذات پہ یقین کامل نصیب ہو جائے گا تم اب اس کو آپ واپس پڑھنا شروع کریں تو کیا ہوگا کہ اگر ہم نیکی کا حکم کرنا چھوڑ دیں گے تو اگر ہم برائی سے روکنا چھوڑ دینگے تو ہمارا اپنا ایمان متزلزل ہو جائے گا۔

اس سے پیچھے چلیں تو فرمایا تمہارا مصرف ہی یہ ہے تمہیں پیدا ہی دوسروں کے لیے کیا گیا ہے۔ تمام قوموں نے اپنے لیے، اپنی قوموں کے لیے، اپنے ممالک کے لیے، اپنی معاشرت کیلئے اپنی تہذیب کے لیے زندہ رہنا ہے۔ لیکن تمہیں اللہ کے لیے اللہ کے دین کے لیے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ کی کتاب کے لیے، اللہ کے احکام کے لیے، اللہ کی مخلوق کیلئے زندہ رہنا ہے تو تمہارے جینے میں اور دوسرے انسانوں کے جینے میں ایک بنیادی فرق ہے، ہر فرد کو اپنے لیے جینا ہے اپنے بچوں کے لیے جینا ہے۔ زیادہ سے زیادہ سوچے گا تو اپنی قوم کیلئے سوچے گا۔ اپنے ملک کے لیے سوچے گا، لیکن تمہیں ساری انسانیت کے لیے زندہ رہنا ہے۔ اور اگر یہ نہیں کرو گے تو پھر تم خیر امت نہیں کہلا سکو گے۔ چونکہ خیر امت کا تو مصرف ہی یہی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ جو چیز اپنے مصرف کی نہیں رہتی۔ ہم کرسی بناتے ہیں جب اس کی سیٹیں اکھڑ جاتی ہیں۔ ٹانگیں ٹوٹ جاتی ہیں تو وہ سٹور میں پھینک دی جاتی ہے۔ بالآخر چولہے میں پھینک دی جاتی ہے برتن ٹوٹتے ہیں کسی کام کے نہیں رہتے۔ بالآخر کباڑی سے ہوتے ہوتے پھر بھٹیوں میں پگھلا دیئے جاتے ہیں۔ واپس دھات بن جاتے ہیں۔ کپڑے پھٹتے ہیں کسی کام کے نہیں رہتے تو پھر آخر پھینک دیئے جاتے ہیں۔ ردی میں چلے جاتے ہیں۔ جلا دیئے جاتے ہیں۔ ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ ہم بھی اگر کسی مصرف کے نہیں رہیں گے تو ردی ہی بنیں گے کوڑے میں پھینک دیئے جائینگے ذلت اور رسوائی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

اور آج آسٹریا سے لیکر فلسطین تک دیکھ لو کہاں عزت ہے مسلمانوں کے پاس۔ آپ کہتے ہیں مغربی اقوام مسلمان کی عزت نہیں کرتے۔ میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ مسلمان کی اپنے گھر میں کوئی عزت نہیں ہے اگر مسلمان کی امریکن عزت نہیں کرتے تو مسلمان کی پاکستان میں کیا عزت ہے۔ کسی اور ریاست میں کیا عزت ہے۔ میں نے تو چپہ چپہ پھر کر دیکھا ہے مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔ کسی جگہ پہ اس بنیاد پہ میں نے کسی شخص کو پروٹوکول نہیں پایا کہ یہ مسلمان ہے اس کا احترام کیا جائے۔ کسی مسلمان ریاست میں شاید اس لیے کہ ہم اس پائے کے مسلمان رہے ہی نہیں، جس پائے کا مسلمان عزت کا مستحق ہوتا ہے۔

http://khooz-e-dil.blogspot.com/

کوپن ہیگن میں یہ بات ہوئی کہ اور میرے خیال میں مغربی معاشرے میں لوگوں نے جگہ جگہ یہ سوال کیا۔ ہر جگہ تقریباً بات ایک ہی تھی اگرچہ الفاظ مختلف تھے۔ یہ باتیں میں لکھتا رہا ہوں چند ایک اور لکھوں گا۔ آپ کے سامنے "المرشد" میں آتی رہیں گی۔ میرا خیال ہے کہ ان تمام باتوں کو یکجا کر کے ایک چھوٹا سا کتابچہ بن جائے تاکہ ایک نگاہ میں ایک آدمی ان سب کو پڑھ سکے۔ مغرب میں جتنے مسلمانوں سے واسطہ پڑا ان سب کی شکایت ایک ہی ہے۔ بڑی دیر کے بعد انہیں ہوش آئی۔ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ دولت یہاں سے کما کر لے جائیں گے۔ مغرب والوں نے اپنا دروازہ بند نہیں کیا۔ ہر آنیوالے پر اپنا دروازہ کھلا رکھا اور دولت کے وسائل بھی انہوں نے بند نہیں کیا۔ لوگ رات دن کام کرتے رہے اتنا کام کیا جتنا وہ اپنے ملک میں نہیں کرتے تھے اور سوچتے بھی نہیں تھے کہ ہم اتنا کام کریں گے، انہوں نے کروڑوں ڈالر کمائے۔ لیکن وہ خود مزدوری کرتے رہے اور ان کی آئندہ پیدا ہونیوالی نسل برطانیہ میں پیدا ہوئی، فرانس میں پیدا ہوئی، ڈنمارک میں پیدا ہوئی، امریکہ میں پیدا ہوئی، کینیڈا میں پیدا ہوئی اور وہ پیدا ہونیوالی نسل ان کے سکول میں گئی۔ وہاں کی ہوا کھائی وہاں کی غذا کھائی، وہاں کی تہذیب سیکھی، وہاں کی تعلیم پائی اور جب یہ کروڑوں ڈالر کما چکے تو ان کے آگے جو تصویر تھی، یہ کسی مسلمان کی نہیں تھی بلکہ ایک برطانوی شہزادے کی تھی ایک امریکن شہری کی تھی۔ مسلمان لڑکی کی بجائے ایک کینیڈین بچی کھڑی تھی۔ ایک فرانسیسی بچی سے باپ کو سابقہ پڑا۔ مسلمان بچی کے بجائے اور اب وہ حیران کھڑے ہیں۔ اب وہ وطن واپس نہیں آ سکتے۔ بیٹیوں اور بیٹوں کے بغیر اور وہ وہاں اس لیے نہیں رہ سکتے کہ ان کی بیٹیاں اور بیٹے ان کا جنازہ پڑھنے کے قابل نہیں۔

اس ملک کا کچھ نہیں بگڑا۔ انہوں نے جتنا کمایا جتنے مکان بنائے جتنی دکانیں بنائیں، جتنا سرمایہ کمایا وہ بھی اس ملک میں رہ گیا۔ انہوں نے گدھے کی طرح کام کیا وہ اس ملک کی تعمیر میں لگا۔ انہوں نے جو اولاد پیدا کی وہ اس ملک کے شہری بن گئے۔ ان کا کام ہر لحاظ سے سدھر گیا اور آج ان کے پلے کچھ نہیں اور آج یہ حال صرف مسلمان کا نہیں ہے۔

میں نیویارک شہر گیا، وہاں دارالعرفان کے جو خادم ہیں وہاں انہوں نے چھوٹی سی دکان بنا رکھی ہے۔ مین ہیٹن میں، مین ہیٹن نیویارک کا بھی دل ہے۔ جتنی بھائی زمین پہ ہوتی ہے بیک وقت مین ہیٹن میں بھی ہوتی ہے شاید اس سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ انہیں دکان کے لیے جگہ ایک ہندوستانی سکھ نے دی ہے۔ بہت بڑی بلڈنگ ہے۔ اس میں اس کا ہوٹل ہے۔ کافی حصہ اس نے کرایے پہ دے رکھا ہے۔ کچھ میں خود رہتا ہے۔ مین ہیٹن میں کئی منزلہ بلڈنگ کا مالک ہونا اس کا مطلب ہے کہ وہ اربوں ڈالر کا مالک ہے۔ لیکن میں حیران تھا کہ ایک سکھ نے ان بچوں کو کیوں جگہ دی۔ اور وہ کہتے ہیں وہ سکھ خوش ہوتا ہے وہ کہتا ہے نماز پڑھا کرو میرے مکان میں۔ میں نے کہا نماز کہاں پڑھتے ہو؟ کہنے لگے اس بیسمنٹ BASEMENT میں نیچے جو تہہ خانہ ہے۔ اس نے خالی رکھا ہوا ہے اور اس میں اس نے ہمیں بہت سی جگہ دے چھوڑی ہے کہ یہاں وضو کیا کرو، نماز پڑھا کرو۔ اللہ اللہ کیا کرو۔ میں نے کہا اسے کیا مصیبت پڑی ہے؟ میں نے اس سے بات کی کہ بھئی کیا بات ہے آپ نے انہیں کیوں اتنی (بلڈنگ کی جگہ دی ہے)۔

اس نے کہا کچھ نہ پوچھو، میں اربوں ڈالر کا مالک ہوں یہاں ہمارے ملک کی وزیراعظم اندرا گاندھی آئی تو وہ پرسنل مجھ اکیلے آدمی کو ملی یوں فرسٹ پیج جو تھا اخباروں کا وہ میری تصویروں سے بھرا ہوا تھا۔ میرے پاس آج بھی کروڑوں ڈالر ہیں لیکن میرا بیٹا ایک سپینش (SPANISH) لڑکی کے ساتھ چلا گیا ہے مجھے کہتا ہے جاؤ اپنا کام کرو۔ میں یہ کروڑوں ڈالر کس کو دوں۔ میں انہیں کہاں لے جاؤں۔

اگرچہ وہ کافر ہے لیکن اسے کم از کم یہ احساس تو ہے کہ اس کی ایک اپنی قوم ہے ایک اپنا بھی ملک ہے۔ ایک اپنی جگہ بھی تھی۔ اس نے ساری عمر ضائع کی۔ رات دن مزدوری کی۔ اربوں ڈالر کمائے۔ لیکن یہ انہیں لوگوں کے ہیں۔ جن کے دروازے پہ اس نے محنت کر کے کمائے تھے۔ بغیر کسی مشقت کے انہیں واپس دے رہا ہے۔ اس لیے کہ اس کی اولاد انہوں نے لے لی ہے اور یہ سب مال اسی اولاد کا ہے جو ان کے دروازے پہ پڑی ہے

لندن میں بریڈفورڈ میں تھا تو ہم بازار ایک ٹیکسی میں گئے کہ اپنی موٹر پارک کرنے کا ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ بھیڑ آدمی

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

اگر ایک دو سٹوروں میں گھومتا ہوا نکل جائے تو واپس وہیں آنا پڑتا ہے۔ جہاں گاڑی چھوڑی تھی۔ ٹیکسی کا سیدھا سا معاملہ ہے، چھوڑ دی، جہاں فارغ ہوئے وہاں سے پکڑ لی گھر چلے گئے واپسی پر جو ٹیکسی پکڑی اس کا ڈرائیور ایک مسلمان تھا۔ شکل سے پاکستانی نہیں لگتا تھا۔ لیکن اس نے بتایا کہ وہ پاکستانی مسلمان ہے۔ کہنے لگا جی آپ نے ہمارے لیے کیا سوچا ہے آپ ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا میری مدد کو آپ چھوڑیں آپ پہلے اپنی تکلیف بتائیں۔ آپ کو تکلیف کیا ہے کہ آپ کی مدد کروں۔ کس قسم کی مدد چاہیئے آپ کو۔ وہ کہنے لگا کہ ہمارے بچے اور بچیاں ہیں۔ ان کے لیے کوئی علیحدہ سکول نہیں ہے۔ یہاں کی سکولنگ کا طریقہ یہ ہے کہ بچے کو صبح سکول کی گاڑی لے جاتی ہے وہ بمشکل دودھ کا کپ گھر پیتا ہے اس کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا اور ظہر کی چائے یہ سب کچھ سکول میں ہوتا ہے جس میں خنزیر تک ہر چیز شامل ہوتی ہے اور اگر بکرے کا، بیل کا یا گائے کا گوشت ہو تو وہ بھی مشین کا کٹا ہوا ہوتا ہے اس میں ذبیحہ کا اہتمام سرے سے نہیں کیا جاتا۔ بچیاں آٹھویں، نویں، دسویں، گیارہویں میں جب جاتی ہیں تو آٹھویں سے اوپر سوئمنگ (SWIMMING ...) کا ایک لازمی پیریڈ ہوتا ہے۔ بچوں بچیوں کا اکٹھا، کپڑے نہیں پہنے ہوتے تالاب میں تیرنا ہوتا ہے۔ لڑکیوں نے بھی لڑکوں نے بھی، ہفتہ ہفتہ آؤٹنگ (OUTING) ہوتی ہے۔ آٹھویں نویں دسویں کی بچیاں بچے پیدا کرنا شروع کر دیتی ہے جبکہ ان کی شادی نہیں ہوتی۔ میں نے کہا آپ نے اس کے لیے کچھ کیا آپ کچھ کر رہے ہیں کہ میں آپ کی کچھ مدد کروں تو وہ مجھے کہنے لگا کہ وہ پرسوں سکول گیا تھا اور اتفاق کی بات ہے کہ جب وہ سکول گیا تو وزیر تعلیم سکول آیا ہوا تھا۔

وہ ہماری طرح کا معاشرہ نہیں ہے کہ منسٹر نے آنا ہے تو سڑکیں بلاک ہیں، ڈھول بج رہے ہیں۔ دروازے بنے ہوتے ہیں۔ کچھ بھی نہیں، ایک آدمی کی طرح وزیر بھی بازار سے سودا سلف خرید لاتے ہیں۔ عام انسانوں کی طرح رہتے ہیں۔ آپ کو سڑک پر مل سکتے ہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے اور عام ملازموں کی طرح وہ بھی ڈیوٹی کرتے ہیں۔ وزیر منتخب ہونے کے بعد وہ بھی ایک دفتری آدمی ہوتے ہیں اور وزیر تعلیم ہائی سکولوں تک کے معائنہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ وہاں تک کی خرابیوں کی جوابدہی اسے کرنی ہوتی ہے کیبنٹ کے سامنے۔ وزیر ہائی سکولوں تک کو پرسنلی وزٹ کرتے ہیں تو وہاں وزیر تعلیم بیٹھا تھا تو میں بڑا خوش ہوا اس سے ملا۔ تو اس نے پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آئے۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کم از کم ہم مسلمانوں کے بچوں کے لیے حلال گوشت کا اہتمام کریں اور انہیں کھانے میں خنزیر کا گوشت نہ دیں۔ اس نے کہا کہ "تم اپنے ایک بچے کی بات کرتے ہو پاکستانیوں کے جتنے بچے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بلا لو"۔ میں نے ایک بچے کو بلایا تو اس نے اس سے پوچھا کہ تمہارا مذہب کیا ہے۔ اس نے کہا پاکستانی اس نے کہا میں مذہب پوچھتا ہوں اس نے کہا پاکستانی اس نے تیسری دفعہ پوچھا بیٹا میں نے آپ سے پوچھا آپ کا مذہب WHAT IS YOUR RELIGION. اس نے کہا I.S AM PAKISTANI اس نے میری طرف دیکھ کر کہا اس کے لیے تم حلال حرام کی بات کرتے ہو HE EVEN DOES NOT KNOW WHAT IS RELIGION. مذہب کسے کہتے ہو۔ اسے تو یہ بھی پتہ نہیں۔ اس کے لیے تم حلال حرام کہتے ہو۔ وہ کہنے لگا اس نے کہا کہ یہ بچے تمہارے نہیں یہ ہمارے ہیں۔ تم جاؤ اپنی ٹیکسی چلاؤ۔ جب مر جاؤ گے تمہیں دفن کر دیا جائیگا مت گھبراؤ۔ ان کا فکر چھوڑ دو۔ یہ بچے تمہارے نہیں ہمارے ہیں۔ اس کے باوجود وہ باقاعدہ کلین شیو تھا، ٹائی تک باضابطہ پہنے ہوئے تھا۔ میں نے کہا بہت ہے تمہاری ابھی تک تم نے گلے سے یہ پھندا تو نہیں اتارا۔ یعنی اتنا کچھ بھگتنے کے باوجود تمہیں شرم تک نہیں آئی کہ تم اپنی ڈگر سے نہیں ہٹے تم خود نہیں ہٹنا چاہتے ہو تو بچوں کو کیسے بدل سکتے ہو۔ تم خود حلال حرام کی پرواہ نہیں کرنا چاہتے ہو، تم خود خدا کے دروازے پر آنا نہیں چاہتے ہو تم خود سجدہ نہیں دینا چاہتے ہو اولاد کو کیسے ولی اللہ بنا لینا چاہتے ہو۔

ان سب کا ایک ہی جواب تھا۔ تمام ممالک میں الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ کہ معاشرہ یا سوسائٹی کا بہت زیادہ دباؤ ہے اور ہم چند افراد اس کے سامنے کھڑے نہیں ہو سکتے۔ ہم کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ میں نے کہا بات تمہاری بڑی وزن رکھتی ہے۔

معاشرہ تو روڈ رولر کی طرح چلتا ہے۔ جو چیز سامنے آتی ہے اسے کرش کرتا چلا جاتا ہے۔ معاشرہ کا دباؤ باقی دنیا کے لیے ہے لیکن مسلمان کے لیے نہیں۔ اس لیے کہ مسلمان کی فطرت ایسی ہے

کہ معاشرے سے کرش نہیں ہوتا بلکہ معاشرے کو توڑ پھوڑ دیتا ہے

تم اس سوسائٹی کی بات کرتے ہو جس کے پاس کھڑا ہونے کی جگہ ہی نہیں۔ معاشرہ تو وہ سخت تھا جب اسلام کا ظہور ہوا۔ جب وہ اکیلے بت کو سجدہ نہیں کرتے تھے بلکہ دوسرے کو کو بھی کہتے تھے کہ تم اس بت کو سجدہ کرو ورنہ تمہارا سر کاٹ دیں گے۔ جب وہ برائی کرتے تھے تو دوسرے کو بھی اس برائی پہ مجبور کرتے تھے۔ اس معاشرے میں تو جان ہی نہیں ہے۔ اگر یہ برائی کرتا ہے تو خود کرتا ہے۔ آپ کو مجبور نہیں کرتے اور اپنی برائی سے خود تنگ ہیں۔ ان کے پاس کوئی واپسی کا راستہ ہی نہیں۔ معاشرہ تو وہ تھا جب کسی نے لا الہ الا اللہ پڑھا تو اس کی جان کو آگئی۔ لیکن کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے کھڑے ہو کر پورے معاشرے کو چیلنج کر دیا تھا کہ بس بھئی بہت ہو چکی ہے۔ اب رک جاؤ اور یہ برائی ترک کر جاؤ بلکہ اب تمہیں واپس چلنا ہوگا اور کیا وہاں سے تاریخ کا سائیکل الٹا چلنا شروع نہیں ہو گیا کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں ہے کہ دو آدمی مسلمان ہوئے چار ہوئے پانچ ہوئے دس ہوئے۔ ایک ایک دو دو بڑھتے گئے اور معاشرہ اپنی ساری سختی کے باوجود ان کے لیے جگہ پیدا کرتا چلا گیا حتیٰ کہ نصف صدی ختم ہونے سے پہلے پہلے چائنہ سے لیکر ہسپانیہ تک اور سائبیریا سے لیکر جنوبی افریقہ تک ایک مسلم سٹیٹ بن چکی تھی جس میں اللہ کا قانون نافذ تھا۔ کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا تھا۔ کوئی بےحیائی نہیں تھی۔ کوئی چوری نہیں تھی، کوئی بدکاری نہیں تھی کوئی جھوٹ نہیں تھا۔ کوئی ظلم نہیں تھا کوئی جور و جفا نہیں تھی۔ وہ زمین جو تمام برائیوں سے پُر تھی خارزار تھی وہ ایک گلستان میں بدل گیا۔

آج اس میں سے کیا کیا چیز بدلی ہے۔ اس وقت کیا تھا اللہ تھا اللہ کی کتاب تھی۔ اللہ کا رسول تھا اللہ کے بندے تھے۔ ان چار کے علاوہ پانچواں عنصر کیا تھا کچھ بھی تو نہیں تھا۔ کیا اللہ بدل چکا ہے ہرگز نہیں کیا اللہ کی کتاب معدوم ہو گئی یا بدل گئی بالکل نہیں وہی ہے جو اس وقت نازل ہوئی تھی۔ کیا نبوت تبدیل ہو گئی ہے وہ نبی نہ رہا کوئی اور نبی آیا نئی نبوت آئی یا کوئی نبوت میں تبدیلی آئی یا اس کی کوئی قوت بڑھا گھٹا دی گئی یا اس کی برکات کچھ تبدیل ہوئیں ہرگز نہیں تو پھر تبدیلی کیا آئی۔ مومن میں جو اس وقت تھا۔ وہ آج نہیں ملتا۔ وہ کون تھا وہ میں اور آپ۔

جن کو دیکھ کر آپ خوش ہوتے ہیں یہ نوجوان لڑکیاں ننگی پھر رہی ہیں۔ یہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں میری اور آپ کی بیٹیاں ہیں۔ ان تک اللہ کا اللہ کے رسول کا پیغام پہنچانے کے ہم مکلف ہیں ہم ان کے ننگے بدن دیکھنے کے مکلف نہیں ہیں۔ ہم ان کے بدن ڈھانپنے کے مکلف ہیں۔ ہم سے یہ حساب ہوگا ہم سے پوچھا جائے گا کہ ان ننگے جسم کو ڈھانپنے کے لیے ہم نے کیا محنت کی۔ جنہیں دیکھ کر تم کہتے ہو یہ انگریز کی بیٹی ہے۔ یہ امریکن کی بیٹی ہے۔ یہ سویڈش کی بیٹی ہے۔ یہ نارویے کی لڑکی ہے۔ میں انہیں آدم علیہ السلام کی بیٹیاں سمجھتا ہوں۔ میں انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت تسلیم کرتا ہوں کیونکہ ان سب کی طرف حضور مبعوث ہوئے ہیں۔

میں اور آپ اگر ان کے برہنہ جسم دیکھ کر انجائے کریں گے تو انہیں اللہ کا پیغام کون پہنچائے گا۔ کافر میں اور مسلمان میں فرق کیا ہوا کیا فرق ہے کافر اور مسلمان میں، قد مختلف ہوتا ہے۔ رنگ مختلف ہوتا ہے۔ شکل مختلف ہوتی ہے۔ اعضاء مختلف ہوتے ہیں، پیدا ہونے کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ غذائیں مختلف ہوتی ہیں بیماریاں مختلف ہوتی ہیں۔ عمریں مختلف ہوتی ہیں۔ کیا اختلاف ہے کچھ بھی تو نہیں ہے۔ مومن پیدا ہوتا ہے بچہ ہوتا ہے، لڑکا ہوتا ہے جوان ہوتا ہے شادی کرتا ہے، اولاد ہوتی ہے، دولت کماتا ہے، گھر بناتا ہے۔ بوڑھا ہوتا ہے۔ مر جاتا ہے۔ کافر پیدا ہوتا ہے۔ بچہ ہوتا ہے۔ جوان ہوتا ہے، شادی کرتا ہے۔ گھر بناتا ہے، بچے ہوتے ہیں، مر جاتا ہے۔ فرق کیا ہے؟ کافر مائع کی مثال ہے۔ کافر کے پاس سٹیبلٹی (STABILITY) نہیں ہوتی، اثبات نہیں ہوتا۔ کافر ایسے ہوتا ہے جیسے پانی۔ جس برتن میں ڈالو اس جیسا ہو جاتا ہے۔ پانی کو گلاس میں ڈالو گلاس کی شکل بنا لے گا بوتل میں ڈالو بوتل جیسی شکل ہو جائے گی۔ گول دیگچی میں ڈالو گول ہو جائے گی۔ کسی چوکور برتن میں ڈالو چوکور ہو جائے گا۔ کافر دنیا میں اسطرح جیتا ہے کہ جس معاشرہ میں جاتا ہے اس میں ضم ہو جاتا ہے۔ اس کا اپنا کچھ نہیں ہوتا۔

مومن ٹھوس ہوتا ہے۔ ٹھوس جو ہوتے ہیں وہ ڈھلا نہیں کرتے جہاں جاتے ہیں وہاں ویسی جگہ بنانی پڑتی ہے جہاں وہ ٹھوس چیز رکھی جائے یا وہ ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں، ڈھلتے نہیں ہیں۔ خود ٹوٹ جاتے ہیں۔ یا اس جگہ کو توڑ کر اپنی جگہ بنا لیتے ہیں۔ مومن یا تو

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

شہید ہو جاتا ہے ورنہ دوسرا کو ایمان عطا کر جاتا ہے۔ اگر مومن بھی ہر معاشرہ میں ڈھلنا شروع ہو گیا تو فرق بتایئے مومن اور کافر کا۔

صرف یہ کہہ دینا کہ ہم مسلمان ہیں، اس سے کیا فرق پڑے گا۔ دو آدمی ہیں دونوں نے کھانا نہیں کھایا، ایک کہتا ہے میں نے نہیں کھایا اور ایک کہتا ہے میں نے کھا لیا ہے۔ نتیجے میں کیا فرق پڑے گا۔ صرف یہ کہہ دینے سے مسلمان مسلمان نہیں ہو جاتا۔

مثال جس بات نے مجھے بہت دکھ پہنچایا جس کی شکایت میں لکھوں گا اور ملک کے چپے چپے میں پھیلاؤں گا۔ وہ شکایت مجھے کافروں سے نہیں ہے۔ عام مسلمانوں سے نہیں ہے۔ بلکہ مذہبی پیشواؤں سے ہے۔ پیروں سے ہے، علماء سے ہے۔ ان مسلمانوں کو دیکھا ہے اگر وہ نام نہ بتائیں تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے، ہندو ہے عیسائی ہے، یہودی ہے یا مسلمان ہے۔ ان غریبوں سے یہ دونوں ہاتھوں سے ڈالر لوٹ رہے ہیں۔ لیکن انہیں اللہ کا دین نہیں بتاتے بلکہ ان کا ایمان خراب کرتے ہیں۔ انہیں مساجد میں لڑاتے ہیں اور وہاں بھی یہ فتنہ لے جاتے ہیں۔ نیوجرسی میں پاکستان کا بیٹھا ہوا مولوی تقریر کر رہا ہے تو اسے نبی کو اپنے جیسا بشر ماننے والو" خدا کے بندے یہاں تو لوگ خدا کو نہیں مان رہے اور اگر آٹھ یا دس مسلمان مسجد میں بیٹھے ہیں اور نیوجرسی اتنا بڑا شہر ہے کہ یہاں سے لیکر آپ دس بارہ میل تک چلے جائیں یا اس سے زیادہ تو اتنی بڑی آبادی ہے اور اتنی بڑی آبادی میں آٹھ یا دس آدمی مسجد میں بات سننے آئیں تو انہیں بنیاد بتاؤ اسلام کی۔ انہیں صحیح، صاف ستھری تعلیم دو، اللہ پر ان کا اعتقاد قائم کرو۔ انہیں پھر آپس میں لڑا رہے ہیں؟

ان کا کردار یہ ہے کہ لاہور کے ایک مولانا نیویارک تشریف لے گئے۔ تین دن پہلے اس خدا کے بندے نے ان سے زبردستی رمضان ختم کرا دیا، رمضان ختم ہو گیا۔ چلو عید پڑھو، جو لوگ اعتکاف بیٹھے تھے انہیں اٹھا دیا، رمضان ختم ہو گیا۔ تقویم کا حساب لگا لیا۔ تقویم سے سمجھ آ گئی ڈالر لیے عید پڑھائی۔ دوسرے دن برطانیہ پہنچ کر عید کا اعلان کر دیا اور عید کی نماز پڑھائی۔ آپ ان کا ایمان دیکھیں وہاں سے پیسے لیے اور تیسرے دن فلائی کر کے عید بچوں کے ساتھ لاہور کی اور یہاں بھی عید کی نماز پڑھائی، پیسے لیے۔

آپ ان ظالموں سے پوچھیں جو نماز سال میں ایک دفعہ پڑھائی جاتی ہے ایک ہفتے میں ایک آدمی اس کی تین دن امامت کیسے کرتا ہے یہ کون سی شریعت ہے کون سا دین ہے کونسی فقہ ہے اور یہ کہاں کا انصاف ہے اور پیروں کا کردار اس سے زیادہ گیا گزرا ہے۔

کوپن ہیگن میں مسلمانوں کی دکانیں ہیں شراب کی۔ ہر قسم کی شراب بکتی ہے، وہ کھول کر نہیں بیچتے۔ میں نے کہا کیوں بھئی کیا پرابلم ہے۔ "وہ بھئی پیر صاحب نے منع کیا ہے۔ کھول کر بیچنا گناہ ہے۔ بند بوتل بیچنے میں گناہ نہیں ہے۔" ان کو یہ بھی احساس نہیں کہ تمہیں جو پیسے دیتے ہیں یہ بھی تو اسی حلال کمائی سے آ رہے ہیں۔ اگر انہیں حلال حرام سے کوئی غرض ہو۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ یہ لوگ کتنا ظلم کرتے ہیں۔ کہتے ہیں "ہمیں پیسے دیتے رہو" میں سمجھتا ہوں خود ان کا آخرت پر، خدا پر سرے سے ایمان ہے ہی نہیں یہ دوسروں کو ایمان کیا دیں گے۔ جو آدمی چند ٹکے کے لیے یہ فتویٰ دیتا ہے کہ شراب کی بند بوتل بیچنا جائز ہے۔ اسے یہ تو بتاؤ کہ یہ حرام ہے اگر کر رہے ہو تو اس بات کے قائل رہو کہ یہ گناہ تو ہے شاید کبھی وہ چھوڑ بھی دے۔ کہتے ہیں تم تو بوتل بیچ رہے ہو شراب تو بند ہے شراب تو نہیں بیچ رہے ہو تو اس بوتل کا بیچنا حلال ہے؟ اندازہ کر لو جواز کا۔ اب ہم ان سے اصلاح کی کیا امید رکھیں۔

کافر دین کی بات سننا بھی چاہتے ہیں، بات کرنا بھی چاہتے ہیں۔ لیکن مولوی اور پیر یا پاکستان سے لیکر دوسرے سرے تک نہ ہماری بات سننا چاہتے ہیں نہ ہم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے زیادہ رکاوٹیں دین کی راہ میں، تبلیغ کی راہ میں، نام نہاد مولویوں اور نام نہاد پیروں کی طرف سے ہیں۔ میں سب علماء کو تو نہیں کہہ سکتا، علماء میں نیک بھی ہیں، پیروں میں نیک لوگ بھی ہیں لیکن مجھے نیک لوگوں سے بھی یہ شکوہ ہے کہ نیک لوگوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ اور میدان بدمعاشوں کے سپرد کر دیا ہے۔ خدا ان کو بھی معاف نہیں کرے گا۔ ہمیں میدان میں نیک لوگ نظر نہیں آتے۔ یہ اپنے اپنے کونوں میں اپنی جان بچا کر بیٹھے ہیں جو کبھی نہیں بچے گی کہ یہ بھی مکلف ہیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے۔ یہ کیوں میدان میں نہیں آتے۔ کونے میں بیٹھ کر تسبیح پڑھنا تو کوئی کمال نہیں ہے۔ البتہ پیرس کے ہالی ڈے ان میں رہ کر باجماعت نماز پڑھنا مسلمان کی نشانی ہے۔ آپ کے اسلام کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب آپ چار سو سواریوں کے ساتھ جہاز میں سفر کر رہے ہوں۔ لیکن آپ تین آدمی بھوکے پیاسے بیٹھے ہیں۔ چار سو آدمی کے برتن میں کھانا نہیں کھاتے کہ ہم کافروں کے استعمال کرنے والے برتن استعمال نہیں کرتے۔ آپ کا کسی کو احساس ہوتا ہے کہ یہ لوگ

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

کس زمین پر کھڑے ہیں۔ کسی کا کوئی کلچر، کوئی تہذیب، کوئی عقیدہ ہے۔ کوئی بات ان کے پاس ہے۔ ورنہ ہمیں بھی یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ یہاں بیٹھے رہیں۔ لوگ خدمت بھی کرتے ہیں۔ اللہ نے عزت بھی دی ہے۔ گھر سے کھانا بھی ملتا ہے۔ خدا نے بیشمار ذرائع دیئے ہیں۔ مزدوری کے لیے زمین دی ہے، جائیداد دی ہے۔ اولاد دی ہے۔ لیکن کیا یہ نعمتیں اس لیے دی ہیں کہ ہم اس کی نعمتیں کھا کر سو جائیں اور جو فریضہ اس نے بحیثیت مسلمان ہمارے ذمہ لگایا ہے۔ اسے فراموش کر دیں۔

اگر ہم نے اس سب بے حیائی میں حصہ نہیں لینا ہے تو ہم اسے دیکھنے کیوں جائیں۔ ہم دیکھنے نہیں جاتے ہم اس کا مقابلہ کرنے جاتے ہیں اور بحمداللہ یہ اللہ کا احسان ہے کہ ہم نے ایک مہینے میں چودہ ممالک میں ذاکرین کی جماعتیں پیدا کی ہیں اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ ہر ملک میں غیر مسلموں کو مسلمان بھی کیا ہے۔ لوگوں کے سوالوں کے جواب دیئے ہیں۔

اسلام میں زیادہ شادیاں کیوں کرتے ہیں؟ یہ عجیب لوگ ہیں۔ ان سے جواب نہیں بن پڑتا۔ انہوں نے مطالعہ کبھی نہیں کیا۔ دیکھنے کی تکلیف نہیں کرتے۔ ان کے لیے بڑا مسئلہ بنا ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں اتنی کیوں ہیں؟ اس معاشرہ میں یہ بڑا اعتراض ہے۔ دیکھو جی مولویوں کو یہ بیان نہیں کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا تم گدھے ہو۔ کیوں بیان نہیں کرنا چاہیئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخصیت ہیں۔ جس ہستی نے پچیس برس کی عمر میں ۴۵ برس کی بیوہ کے ساتھ نکاح کیا اور جب تک وہ زندہ رہیں پچاس برس تک کی عمر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی کے ساتھ عہد وفا نبھایا اور اس طرح نبھایا کہ دنیا میں مثال قائم کر دی۔ اگر آپ کو کثرت ازواج کا شوق ہوتا تو جوانی میں کیوں نہ کرتے۔

دوسرا نکاح سیدہ عائشہ صدیقہ سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد دیکھیں گے کہ جب آپ کا خانہ مبارک زوجہ محترمہ سے خالی ہو گیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ نے اپنی سولہ سالہ دوشیزہ بیٹی خدمت عالیہ میں پیش فرمائی۔ اس کے بعد جتنے نکاح مبارک حضورؐ نے فرمائے۔

تو ان ازواج مطہرات کی کفالت کا سبب بنا ان کے پانچ پانچ چار چار بچوں کی کفالت کا سبب بنا۔ عمر رسیدہ خواتین تھیں۔ ان کے شوہر شہید ہو چکے تھے۔ کسی کے احد میں کسی کے بدر میں۔ وہ اعلیٰ قبائل کی خواتین تھیں۔ اور قبائل کے قبائل ان کی معرفت اسلام میں داخل ہوتے۔ لیکن کوئی مطالعہ کی بھی تکلیف تو کرے۔ شوقیہ شادیاں کرنے کی تو عمر جوانی کی ہوتی ہے۔ بوڑھاپا شوقیہ شادی کرنے کی عمر تو نہیں ہوتی۔ لیکن اتنا بھی کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ کتنی عجیب بات ہے۔

مغرب والوں کو اتنا نہیں کہہ سکتے کہ اسلام میں شادیاں تو چار کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن کوئی گرل فرینڈ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ تم شادی ایک کرتے ہو لیکن پچاس گرل فرینڈ اپنے ساتھ رکھتے ہو۔ وہ صحیح ہے یا یہ صحیح ہے۔ جبکہ اسلام میں آپ دو شادیاں بھی کریں تو ساتھ عدل کی قید ہے۔

عدل نہیں کر سکتے ہو تو ایک ہی رکھو۔ پھر دونوں کے لیے مکان کا اہتمام کرو۔ لباس کا اہتمام کرو۔ غذا کا اہتمام کرو۔ دونوں کے حقوق ادا کرو کسی کو شکایت پیدا نہ ہو۔ اگر یہ سب نہیں کر سکتے تو ایک ہی رکھو۔ میں نے کہا دکھاؤ ایسا نظام تمہاری سوسائٹی میں ہے تم گرل فرینڈ اور بیوی میں مطابقت کر کے مجھے دکھاؤ تو وہ مغربی لوگ بھی یہ کہتے تھے۔ THAT SOMETHING, IS VERY BEAUTIFUL. یہ بہت اچھا سسٹم ہے لیکن کوئی انہیں بتاتے بھی۔

اگر ہم ہی لوٹنے کو جائیں، ہم ہی صرف چندے اکٹھے کرنے کو جائیں اور ہم ہی وہاں لوٹنے کو جائیں۔ ایک جا کر کہتا ہے مجھے پیسے دیدو، جو پہلے آیا وہ تمہیں گمراہ کر گیا۔ وہ کافر تھا۔ دوسرا جا کر یہ کہتا ہے وہ کافر ہے پیسے مجھے دو۔ میں تمہیں اگلے جہان بخشاؤں گا۔

لیکن ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہمارے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے۔ جس شخص کا گھر جل رہا ہے وہ کیسی طرح سکون کے ساتھ کسی دوسرے کی مدد کر سکتا ہے سو ہمارا اصل مسئلہ یہ نہیں کہ وہاں کفر کیوں پھیلا ہوا ہے۔ ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم اسلام پر یہاں عمل کیوں نہیں کرتے۔ اگر ہم جو یہاں بستے ہیں خدا نے ہمیں ملک دیا ہے۔ خدا نے ہمیں ریاست دی ہے۔ خدا نے ہمیں مہلت دی ہے، فرصت دی ہے کیا ہم اپنے آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول کی بارگاہ میں نہیں لا سکتے۔ کیا ہماری عبرت کے لیے دنیا کا یہ حال کافی نہیں ہے۔ اگر ہم یہاں دین اپنا لیں اور دین پر عمل باقاعدگی سے کریں اور ہم خود کو مسلمان ثابت کریں تو

http://kmooz-e-dil.blogspot.com/

اس دنیا کو مسلمان بنانے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ زیادہ محنت نہیں لگتی۔ زیادہ تکلف نہیں لگتا۔ آپ دیکھیں لوگ خود بخود مسلمان ہونا شروع ہو جائیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں یہ صرف منبر پہ کہا جاتا ہے۔ عملی زندگی میں، بازار میں، گلی میں، کاروبار میں، تجارت میں، دفاتر میں یہ کہیں نظر نہیں آتا۔

میں حج کو ایک مختلف نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ ہر شخص کا ایک نقطہ نظر ہوتا ہے میرا نقطہ نظر حج کے متعلق یہ ہے کہ اللہ کے سامنے جا کر ہتھیار ڈال دینے کا نام حج ہے۔ جس طرح کوئی فوج شکست تسلیم کر لیتی ہے۔ اور دوسرے کے سامنے ہتھیار پھینک کر ہاتھ اٹھا دیتی ہے کہ جو ہو چکا سو ہو چکا۔ اب ہماری طرف سے کوئی گولی نہیں چلے گی۔ تم ہمیں مارو، باندھو، چھوڑ دو۔ کہیں لے جاؤ۔ جیل میں رکھو آزاد کر دو۔ یہ تمہاری پسند ہے۔ ہم نے ہتھیار ڈال دیئے۔ حج ہے اللہ کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کا نام۔ اگر اللہ کریم بیت اللہ شریف میں لے جائیں اور آپ کھڑے ہو کر دیکھیں تو وہاں جو کچھ ہوتا ہے بالکل وہی رسم ادا کی جاتی ہے جب فوجیں ہتھیار ڈال دیتی ہیں۔ پریڈ کرتی ہیں کہ وہ ہتھیار بھی پیش کریں اور ان کے کمانڈر کے کراؤن وغیرہ بھی اتار دیئے جائیں۔ بالکل وہاں یہی ہوتا ہے کہ کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں۔ سر ننگا ہوتا ہے، پاؤں ننگے ہوتے ہیں وہ ان سلی چادروں میں لپٹا ہوا بندہ ہاتھ باندھے ہوئے اللہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے کہ خدایا میں اپنی ساری کوتاہیوں ساری کمزوریوں کے سمیت حاضر ہوں جو ہو چکا ہو چکا آئندہ میں تیرے حکم سے سرتابی نہیں کروں گا۔

اللہ کریم وہاں لے جائے تو یہ اس کا بہت بڑا احسان ہے لیکن کیا اپنے حج کو ہم یہاں حج اکبر نہیں بنا سکتے؟ چونکہ اللہ ہر جگہ موجود ہے وہ صرف بیت اللہ میں نہیں ہے بلکہ تم کہاں بھی ہو۔ رب جلیل تو موجود ہے۔ ہم اپنے اس حج کو جہاں بھی ہم ہیں کیا یہاں ہی ہم سرنڈر کر دیں تو بہتر نہیں ہے۔

آیئے ہم اپنے اللہ سے عہد کریں کہ وہ ہمیں قبول کر لے اور پھر سے وہ ولولہ تازہ دے کہ ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے اردو کی ایک ضرب المثل ہے کہ گھر میں دانے نہیں اماں چلی پیسنے۔ جب خود عمل نہیں کرتے، اپنے دل کو یقین حاصل نہیں ہے تو کسی کو کیا دے گا۔ آؤ اپنے پاس سرمایہ جمع کریں۔ سب سے پہلے اپنے دلوں کو آباد کریں۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھنا شروع کر دیا ہوا ہے۔ آپ نے کبھی کسی بحری جہاز کے ڈوبنے کا منظر پڑھا کسی فلم میں دیکھا ہو گا۔ کسی تصویر کو دیکھا ہو گا۔ کوئی کہانی سنی ہو گی۔ جب جہاز پھٹتے ہیں یا ڈوبتے ہیں تو جو لوگ سمندر میں رہ جاتے ہیں ان میں سے کوئی دیکھتا ہے کہ کوئی اور بھی ہاتھ پاؤں مارے تو میں ہاتھ پاؤں ماروں ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔ نہیں ہر کوئی ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اگرچہ وہ سمجھتا ہے کہ خشکی سے سینکڑوں میل دور ہوں میں تیر کر نہیں پہنچ سکتا۔ پھر بھی ہاتھ پاؤں جب تک شل نہیں ہو جاتے مارتا ہی رہتا ہے کہ میں سر باہر رکھوں ممکن ہے کوئی بچنے کا سبب بن جائے۔ ہم علیین سمندر میں غرق ہو رہے ہیں تو ہمیں دوسرں کو دیکھنے کی بجائے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں جہاں پہنچ سکتے ہیں ہو سکتا ہے۔ وہ تو کرنا چاہیئے۔ اگر یہ وبا دوبئی میں آ سکتی ہے تو پاکستان زیادہ دور نہیں ہے کل یہ بیچز BEACHES یہاں بھی بکنا شروع ہو جائیں گی۔ اگر ہمارا یہی حال رہا تو یہ سب کچھ ہمارے گھروں میں آ جائے گا۔ آپ بیشتر اس کے کہ یہ آگ یہاں لگے ہمیں اس کو وہاں بجھانا چاہیئے۔ ورنہ اللہ کریم بڑا بے نیاز ہے۔

بغداد میں کتب خانے بھی بہت تھے۔ علماء بھی بہت تھے۔ مناظرے بھی گلی گلی ہوتے تھے۔ مباحثے بھی بہت ہوتے تھے۔ فتویٰ بازی بھی بہت ہوتی تھی۔ خانقاہیں بھی بڑی تھیں۔ لیکن دین نہیں تھا لوگوں کے دل خالی تھے۔ خدا نے ان پر تاتاری مسلط کر دیئے اور انہوں نے ہر چیز تہس نہس کر دی۔ اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اتنے کتب خانے دریا میں انہوں نے پھینکے کہ چھ ماہ تک دریا کا پانی جب بغداد شہر سے گزرتا تھا تو وہاں سے سیاہ ہو جاتا تھا۔ کیونکہ قلمی کتابیں ہوتی تھیں۔ سیاہی سے لکھی ہوئی۔

لیکن اسلام نہیں مٹا۔ جن تاتاریوں نے مسلمانوں کو تباہ کیا تھا وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اور ؎

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

خدا کا پیغام قبول کر کے انہوں نے ایمان قبول کر لیا اور وہ مناظرے کرنے والے اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ لیکن ہمارا بھی یہی حال نہ ہو کہ ہم بس دوسروں پر تنقید کرتے رہیں۔ پھتے ہیں کل کو وہ ایمان لے آئے اور ہم اپنے سارے ناز و نخرے سمیت اللہ کی گرفت میں آتے ہوئے ہوں۔ اس سے پہلے آؤ اللہ سے عہد کریں کہ خدایا ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما اور ہمیں نور ایمان، صلاحیت اور استعداد کار عطا فرما کہ ہم تیرے پیغام کو نہ صرف خود قبول کریں زمین پر پہنچانے اور پھیلانے کا سبب بن سکیں۔

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

حضرت مولانا محمد اکرم

اللہ کی پسند

مذہب انسان کی ضرورت ہے اور جس طرح کھانا پینا سونا اور جاگنا یا دوسرے امور عادیہ اس کے مزاج میں ودیعت کر دیے گئے ہیں، اُسی طرح سے مذہب بھی اللہ کریم نے تخلیقی طور پر اس کے مزاج میں سمو دیا ہے اسی لیے جہاں تک معلوم تاریخ انسانی کا کوئی سرا ملتا ہے بااعتبار مورخین کے یا بااعتبار اخبار صادقہ کے جو اللہ کی کتاب نے یا انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی تو مذہب کا تذکرہ ضرور ملتا ہے اور ایسے زمانے میں جب انبیاء کی تعلیمات ناپید ہو گئیں دنیا سے حق اُٹھ گیا کوئی حق بتانے والا نہ رہا تو بھی لوگوں نے مذہب کے نام پر کچھ نہ کچھ رسومات ضرور ایجاد کیں۔ اور اسے خالی نہیں چھوڑا۔ آج بھی جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مذہب کی طرف لوگوں کا رجحان کم ہے اُس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مذہب حقہ کی طرف لوگوں کا رجحان کم ہے اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ لوگ بالکل ہی مذہب چھوڑ چکے ہیں یعنی لوگ روایات میں رسومات میں، خرافات میں الجھ کر انہی حکایات، انہی خرافات کو مذہب سمجھ لیتے ہیں اور حقائق کی طرف کم متوجہ ہوتے ہیں۔

جب انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوتے ہیں تو وہ بھی تعلیم دیتے ہیں اس کا نام بھی مذہب ہی ہوتا ہے اور جو رسومات جو رواجات معاشرے میں، ماحول میں رواج پا جاتے ہیں وہ بھی مذہب ہی کے نام پر پروان چڑھتے ہیں یہ اس طرح سے غلط ملط ہو جاتا ہے کہ آدمی سمجھتا ہے کہ کوئی بہت بڑا الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے تو کس طرح آدمی عہدہ برآ ہو سکے۔ کیسے سمجھ سکے کہ یہ حقائق جو ہیں یہ انبیاء کے ارشاد کردہ ہیں یا یہ محض رسم ہے یا رواج ہے۔

تو اِن آیات میں قرآن حکیم نے ایک بڑی عام فہم سی اور بہت ہی آسان سی دلیل ارشاد فرمائی ہے جو مذاہب باطلہ اور مذہب حقہ میں فرق تک بیان کر دیتی ہے اور ہر آدمی سمجھ سکتا ہے مذاہب باطلہ جو ہیں اُن کی رسائی ذات باری تک صفات باری تک یا حیات اُخروی تک ممکن نہیں یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر سوائے انبیاء و رسل کے کسی نے لب کشائی کی جرأت نہیں کی۔ دنیا میں تمام موضوعات پر ماہرین نے اپنی اپنی آراء پیش کی ہیں لیکن یہ موضوع حیات بعد الموت یا برزخ یا عذاب و ثواب یا اعمال کے آخروی نتائج اعمال پہ اللہ کی پسند و ناپسند کون سی چیز اللہ کو پسند ہے کونسا عمل پسندیدہ ہے کونسا ناپسند ہے۔ کونسا ارادہ ناپسندیدہ ہے کون سا پسند ہے کس عمل پر کیا مرتب ہو گا۔ اس سے صرف نبی اور رسول بحث کرتے ہیں تو قرآن حکیم نے پہچان ہی یہ دی ہے کہ تعلیم انبیاء کی جو ہو گی اس میں مقدم اور زیادہ اہم جو ہوں گے وہ اُخروی نتائج ہوں گے۔ یعنی کوئی کام کرنے کا جب حکم دیا جائے گا، تو اس کے بعد اُس کا اُخروی نتیجہ جو ہے اُس کی اہمیت پر زیادہ زور دیا جائے گا۔

اور مذاہب باطلہ میں مذہب ہی دنیا کے لیے ہو گا اور یہ یہ بہت بڑی دلیل ہے جتنے بھی دنیا میں مذاہب باطلہ رائج ہوئے ہیں اُن کو دیکھیں تو اُن سب میں آپ کو یہ بات ملے گی کہ ہر عبادت کیساتھ ہر مذہبی پریکٹس کے ساتھ انہوں نے کسی نہ کسی دنیوی نعمت کو جوڑ رکھا ہوتا ہے جہاں دیوی اور دیوتاؤں کا رواج ہے۔ چھتیس ہزار کے قریب ایسے دیوی اور دیوتا ہیں جو پوجے جاتے ہیں۔ ہر دیوی ہر دیوتا کے نام کے ساتھ کسی دنیوی نعمت کو جوڑ دیا گیا ہے اس کی پوجا کرنے سے دنیا کی یہ نعمت مل جائے گی۔ اسی طرح مختلف رسومات عبادت کے نام پر رائج کی گئی ہیں کسی کے ساتھ بیماری سے نجات ملنے کا لگا دیا گیا ہے کسی کے ساتھ اولاد ملنے کا، کسی کے ساتھ مال و دولت ملنے کا، کسی کے ساتھ اقتدار ملنے کا۔ کچھ نہ کچھ۔ دنیا کی کسی نہ کسی نعمت کا اُس کے ساتھ لگا دیا گیا ہے۔

انبیاء کے پاس جو ہو گی وہ یہ ہو گی کہ آپ کو اللہ کریم کی رضا کی خبر دی جائے گی جس کے نتیجے میں آپ کی دائمی، ابدی و آخروی زندگی میں آرام و سکون ملے گا۔ یہ زیادہ اہم ہو گا اور اس کی وساطت سے دنیا میں بھی اگر آپ کو آرام ملتا ہے، عزت ملتی ہے یا دنیوی فائدہ ملتا ہے تو اُس کی وہ اہمیت نہیں ہے کہ اُس کے لیے وہ کام کیا جائے۔ کام آپ کریں گے

http://kunooz-e-dil.blogspot.com/

آخرت کے لیے اس کے ساتھ اگر دنیا کا فائدہ ملتا ہے وہ مزید منافع میں ہے لیکن اگر کبھی دنیا میں نقصان بھی اُٹھانا پڑ جائے بعض اوقات مال میں نقصان ہو جاتا ہے بعض اوقات جان تک دینی پڑ جاتی ہے بعض اوقات گھر چھوڑنا پڑ جاتا ہے بعض اوقات مالی یا اس طرح کے نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں تو اُخروی فوائد کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ اُن پر دنیا کے سارے فوائد نچھاور کیے جا سکتے ہیں۔ مگر آخرت کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔ تو یہ ایک واضح فرق ہے دینِ حق میں اور ادیانِ باطلہ میں۔ مومن کی زندگی میں اور غیر مومن کے جینے میں یہی فرق ہے کہ مومن جو کرتا ہے وہ آخرت کے لیے کرتا ہے اور کافر جو کرتا ہے وہ دنیا کے لیے کرتا ہے۔ مومن دنیا کا کام بھی کرتا ہے تو اپنی آخرت کو مدِ نظر رکھ کر۔ یہ کام جو میں کرنے چلا ہوں یہ کام تو دنیا کا ہے لیکن اس پر آخروی کیا نتیجہ مرتب ہوگا۔ اگر وہ اُس کی آخرت کے لیے نقصان دہ ہے تو وہ اس کام کو چھوڑ دیتا ہے اگرچہ اُس میں اُس کو دنیوی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر آخرت کے لیے مفید ہے تو ضرور کرتا ہے اگرچہ دنیوی لحاظ سے اُسے کچھ مشکلات بھی پیش آ جائیں۔

ایک کیفیت چاہیئے اس کے لیے جسے قرآن حکیم یقین کے نام سے یاد دلاتا ہے۔ ایمان کی شرائط میں جہاں کتاب اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔ ایمان کی نشانی شرط آ گئی کہ جو کچھ آپ سے پہلے نازل ہوا اُس پر بھی یقین رکھتے ہیں، ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا اس سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایمان تو مکمل ہو گیا۔ لیکن آخرت اتنی ضروری تھی کہ ان سب میں سے پھر آخرت کے نتیجے کو علیحدہ کر کے پھر یہاں ارشاد فرمایا۔

انہیں اُخروی زندگی کا آخروی نتائج کا یقین قطعی حاصل ہے۔ انہیں یقین کامل حاصل ہے کہ ہمیں اللہ کے روبرو پیش ہونا ہے۔ موت زندگی کے خاتمے کا نام نہیں بلکہ ایک نئی زندگی کی ابتداء ہے۔

انسان عجیب مزاج رکھتا ہے بنیادی طور پر انسان بھی من جملہ حیوانات میں سے ایک حیوان ہے۔ باقی حیوانات میں اور انسان میں صرف ایک فرق ہے کہ باقی حیوانات جبلّی زندگی گزارنے میں مجبور ہیں، ہر حیوان کو کچھ عادتیں جبلت میں دے دی گئی ہیں، وہ انہی پر اپنی زندگی کو اسی جگہ پر گزار دیتا ہے۔ لیکن انسان میں عقل ہے شعور ہے یہ اپنی عادات بدل سکتا ہے دوسرے سے عادات سیکھ لیتا ہے۔ تو جب یہ انسانی معیار سے نیچے گرتا ہے تو پھر حیوانی زندگی میں یہ ہر حیوان کی مختلف عادتیں اپناتا چلا جاتا ہے جب یہ گناہ کی زندگی میں گرتا ہے تو یہ شتر مرغ کی طرح پھر آخرت سے آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو محفوظ کرنا چاہتا ہے، جس طرح شتر مرغ خطرہ دیکھے تو وہ سر کو ریت میں چھپا لیتا ہے۔ اس پر وہ بھول جاتا ہے کہ پہاڑ جتنا اس کا دھڑ جو ہے وہ ریت سے باہر ہے، وہ صرف اپنے سر کو ریت میں دبا کر یہ سمجھتا ہے کہ میں خطرے سے محفوظ ہوں۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ آنکھیں بند کر لینے سے خطرہ نہیں ٹلتا آج کے لوگوں نے اُخروی زندگی کا انکار کر کے اُخروی نتائج سے بچنے کی صورت تلاش کی ہے کہ موت پر زندگی کے خاتمے کا اعلان کر دو کہہ دو کہ اس کے بعد کچھ ہے ہی نہیں بلکہ ایسا کہہ دینے سے کیا وہ حقائق ختم ہو جائیں گے جس کے متعلق قرآن حکیم نے خبر دی ہے جس کے متعلق نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ جن کے متعلق یقین شرطِ ایمان ہے جس میں شبہ واقع ہو جائے تو ایمان ناقابل قبول ہو جاتا ہے یہ ساری حقیقتیں آپ کسی ایک فرد یا زیادہ افراد کی آنکھیں بند کر لینے سے حقائق بدل جائیں گے۔ جب سورج طلوع ہوگا اور کوئی بھی شخص کمرے کے دروازے بند کرے اور وہ کہے کہ میں نہیں مانتا تو ہمارے کمرے کے دروازے بند کر لینے سے سورج طلوع ہونے سے رُک جائے گا۔ حقائق تو اپنی جگہ ہیں اپنے آپ کے ساتھ دھوکا ہوگا۔ اپنے ساتھ فریب ہو گا۔

چونکہ یہ فلاسفہ کا مذہب ہے کہ موت زندگی کا خاتمہ ہے اور مذہب حقّہ یہ ہے جو اللہ نے تعلیم دی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے جو کتاب اللہ کی خبر ہے وہ یہ ہے کہ موت ایک نئی زندگی کی ابتداء ہے۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

بظاہر جہاں ہمیں زندگی ختم ہوتی نظر آتی ہے وہاں سے ایک ایسی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ جس نے کبھی ختم ہی نہیں ہونا۔

مذہب حقّہ زندگی کے ساتھ اعمال کو جوڑتا ہے کمانے کو خرچ کرنے کو، رہنے کو، تعلقات کو، والدین کے ساتھ تعلقات کو، اولاد کے ساتھ تعلقات کو، معاشرے کے ساتھ تعلقات کو، قوم اور ملک کے ساتھ تعلقات کو، حقوق اور فرائض کی بحث کو، ان سب کو اُس زندگی کے ساتھ جوڑتا ہے۔ جو موت کے بعد شروع ہونے والی ہے یہاں کے حقوق و فرائض کو تعین کرتا ہے، کہ جو یہاں اپنے فرائض ادا کرے گا، اُس کے لیے وہاں اللہ انعامات دے گا۔

اب رہی یہ بات دین آخری ہے، نبوت آخری ہے، کتاب آخری ہے

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

اور اس کی بھی خبر دی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی کتاب نے کہ یہ دین بھی آخری ہے۔ کتاب بھی آخری ہے۔ نبوت بھی آخری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا کوئی نئی کتاب نازل نہیں ہوگی۔ کوئی نئی امت نہیں آئے گی۔ اس کا مطلب ہے یہ دین رہے گا۔ اللہ جل شانہٗ نے جب دین کو رکھنا ہی ہے تو لوگ دین دار رہیں گے تو دین رہے گا اگر لوگ دین دار نہیں رہیں گے تو دین آسمان پر فرشتوں کے پاس نہیں رہے گا دین کے رہنے کا مطلب تو یہ ہے کہ انسانوں میں رہے زمین پر رہے۔ اللہ کریم مجبور و بے بس نہیں ہے جب خدا کو دین رکھنا ہے تو یہ اُس کی مجبوری ہے ہم چاہے کچھ کریں کیونکہ اللہ کو دین تو باقی رکھنا ہے تو خدا کی مجبوری ہے کہ ہمیں برداشت کرے فرمایا نہیں۔ وہ مجبور نہیں ہے وہ ہمیشہ سے غنی اور بے نیاز ہے ہاں اگر تمہیں برداشت کرتا ہے تو یہ اُس کی مہربانی ہے کہ وہ بہت بڑی رحمت ہے اس کی بہت وسیع رحمت ہے اُس کی اگر وہ تمہاری خطائیں تمہاری لغزشیں تمہاری کوتاہیاں یہ سب کچھ برداشت کرتا ہے تو یہ محض اُس کا کرم ہے مجبوری نہیں ہے۔

اگر وہ چاہے تو آن واحد میں سب کو نابود کر دے تم میں سے کسی کا نشان باقی نہ رہے۔ تم سے بعد کوئی اور پیدا کر دے قادر مطلق کسی کافر قوم کو ایمان نصیب کر دے وہ قادر ہے نئے افراد پیدا کر دے۔ وہ قادر ہے وہ ایسا بے نیاز ہے کہ مسلمانوں نے جب گمراہی اختیار کی۔ بغداد کی ہر گلی میں مناظرہ ہوتا تھا ہر گلی میں جلسہ ہو رہا ہوتا تھا۔ بڑے واعظ ہوتے تھے۔ بڑے مناظرے ہوتے تھے۔ لیکن خلوص اُٹھ گیا تھا لوگوں سے دیانت اُٹھ گئی تھی مذہب پروفیشن بن چکا تھا مذہبی تعلیم ذریعہ معاش بن گئی تھی کمائی کا، سیاست کا، ذریعہ تھا اقتدار حاصل کرنے کا ذریعہ بن گیا تھا۔

اللہ کریم نے تارتاری مسلط کر دیے جو دنیا کی ظالم ترین قوم تھے اور وہ ظلم کیے انہوں نے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ انسان تو انسان اُن کے ظلم سے جانور تک محفوظ نہ رہے۔ جنگل کے جانور تک بھی جب سامنے آتا تھا تو اُس کو تیر چلا دیتے تھے چشموں میں، دریاؤں میں نہروں میں، تالابوں میں، زہر پھینکتے چلے جاتے تھے۔ تباہی اُن کے مزاج میں تھی جلا دیتے تھے فصلوں کو، باغوں کو کاٹ دیتے تھے شہروں کو تباہ کر دیتے تھے، حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچہ نکال کر اُس کا سر کاٹتے تھے، کس قدر سفاک قوم تھی۔

لیکن مسلمانوں کی تباہی کے بعد انہیں سزا مل گئی اور وہ خود بخود مسلمان ہو گئے۔ اسلام کا کچھ نہیں بگڑا وہی اُس کے خادم بن گئے۔ دین باقی رہا اُن ظالموں کو اللہ نے توبہ کی توفیق تو دے دی جو دنیا کے ظالم تھے اور اُن ظالموں کو سزا دی جو دین پر ظلم کرتے تھے انہیں معاف نہیں کیا۔ اگرچہ یہ دنیاوی مظالم نہیں تھے یہ کسی کو قتل نہیں کرتے تھے لوٹتے نہیں تھے لیکن یہ دین پر ظلم ڈھاتے تھے۔ چند ٹکوں کے عوض اس کو بیچتے تھے۔ وقتی اقتدار کے لیے دین کو بیچتے تھے۔ وقتی جذبات کے لیے دین کو بیچتے تھے۔ ذاتی مفادات و فوائد کے لیے دین کو قربان کرتے تھے۔ انہیں اللہ نے سزا دی انہیں معاف نہیں کیا۔ تارتاریوں جیسے ظالم اور منگولوں جیسے ظالم مسلط کر دیے۔ خدا نے پرواہ نہیں کی اُن کی کملائی کی اُن کی لائبریریوں کی اُن کے مدراج کی ہر چیز کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ لیکن دین کے ذخیرہ علم میں تو کوئی کمی نہیں آئی کسی تفسیر میں کوئی کمی نظر آئی کسی ذخیرہ حدیث میں کوئی کمی نظر آتی ہے۔ کسی دین کے پہلو میں کوئی کمی نظر آتی ہے۔ کوئی کمی نظر نہیں آتی۔

اور اُس قوم کو اللہ نے جو انتہائی غاصب تھی جس نے جانوروں پر ظلم کیا۔ انسانوں پر ظلم کیا اُسے توبہ کی توفیق دے دی کہ وہ انسانوں کی قاتل تھی حیوانوں کی قاتل تھی زمین پر اُس نے خون بہایا تھا۔ لیکن دین الٰہی کی تردید نہیں کی تھی اُس نے کہ وہ ایماندار تھی ہی نہیں اور جب ایمان لائے تو بڑے کھرے اور پکے اور بڑے اطاعت شعار مسلمان ثابت ہوئے اور پھر انہوں نے صدیوں تک دنیا میں اسلام پھیلایا

اللہ کریم مجبور نہیں ہے تیرا رب تیرا پروردگار ہمیشہ سے غنی ہے وہ کبھی بھی کسی معاملے میں کسی کے سامنے بے بس نہیں۔ وہ غنی ہے ہاں یہ اور بات ہے ذوالرحمۃ اُس کی رحمت بہت وسیع ہے۔ اگر تمہاری لغزشیں تمہاری کوتاہیاں برداشت کرتا ہے تو وہ سب کا رب ہے ورنہ وہ چاہے تو آن واحد میں تمہیں نابود کر دے اور تمہاری جگہ کسی اور کو لے آئے۔

تم نہیں تھے تو تمہیں بھی تو کسی کی جگہ لے کر آیا۔ تم بھی تو شروع میں ان زمینوں پر ان مکانوں میں ان جگہوں پر نہیں تھے۔ تمہارے آباؤ اجداد تھے تم سے پہلے والے لوگ تھے وہ چلے گئے۔ اُن کی جگہ تم آ گئے۔ یہ سب تمہارے سامنے ہے۔ وہ اُسی شہر میں اُسی گھر میں اپنے باپ دادا کو دیکھتا ہے اُسی گھر میں اُس حویلی میں پہلے وہ خود باپ ہوتا ہے۔ پھر اُسی حویلی میں دادا ہوتا ہے۔ دوسرے اُس کے مرنے کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

وہ کیوں یہاں نہیں رکھتا کہ اللہ کا نظام کسی ایک شخص کا محتاج نہیں جنہیں ہم دادا یا بزرگ سمجھتے تھے انہیں ہماری اولاد جانتی ہی نہیں نہ انہوں نے دیکھا ہے نہ انہوں نے سنا ہے۔ اُن کی واقفیت تک ہمارے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ ہم ختم ہو جائیں گے تو انہیں جاننے والا کوئی نہیں رہے گا۔

اسی طرح ہمارا نام بھی ایک لفظ پہ ختم ہو جائے گا۔ ہمیں بھی کوئی نہیں جانے گا کہ ہم کون تھے۔ ایک نیچرل پراسس چل رہا ہے اگر وہ چاہے تو اُس کا سپس SPACE گھٹا دے اور جو عمل تیس سال میں ہوتے ہیں وہ تیس لمحوں میں کر دے تو اُس کے لیے کیا مشکل ہے جو عمل پچاس سال کا ہوتا ہے اُسے پچاس سیکنڈ میں کر دے تو کیا مشکل ہے کرنے والا تو وہی ہے ایک کام کو چاہے تو نصف صدی میں کرے چاہے تو نصف سال میں کر دے۔ اللہ نے اللہ کی کتاب، اللہ کے رسول صلعم نے آپ سے جس بات کا وعدہ کیا ہے۔ قیامِ قیامت کا اعمال کے اخروی نتائج کا وہ یقیناً پیش آئے گا۔ اس میں کوئی گنجائش نہیں اور تم اگر چاہو بھی اور اُس کا انکار بھی کرتے رہو تم اسے روک نہیں سکتے۔ تمہارا کوئی بس نہیں چلتا کہ تم اُسے معطل کر دو یا ٹال دو یا روک لو جو واقعہ ظہور پذیر ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

اور فرمایا میرے حبیب اُن لوگوں سے کہہ دے جنہیں یقین نہیں آتا تم اپنی رائے پر عمل کر کے دیکھ لو میں اپنی جگہ پر عمل کرتا ہوں مجھے اللہ نے راستہ بتایا ہے جو کام کرنے کا میرے پروردگار نے حکم دیا ہے وہ کام کر رہا ہوں۔ اگر تم یہ پسند نہیں کرتے تو تم اپنی رائے پر بھی عمل کر کے دیکھ لو وہ وقت دور نہیں جب اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ انجام کار کون جیتتا ہے کون ہارتا ہے۔

یہاں آ کر تصدیق ہو جاتی ہے کہ تمام مذاہب باطلہ کا ما حاصل بھی دنیا ہے جب کہ مذہب حقہ کا ما حاصل آخرت ہے دنیا نہیں ہے دنیا جو مومن کو ملتی ہے وہ مزید منافع ہے وہ مفت میں ملتی ہے۔

ایک صحابی مکان بنا رہے تھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا تو وہ کھڑکی لگا رہے تھے دیوار میں۔ آپؐ نے فرمایا یہ کیوں رکھ رہے ہو۔ یا رسول اللہ یہ کھڑکی لگا رہا ہوں۔ کیوں لگا رہے ہو؟ یا رسول اللہ اس لیے کہ گرمیوں میں کھولیں گے ہوا آئے گی۔ فرمایا بند کر دو۔ لوگ گزریں گے تمہاری جگہ کھلی ہے لوگوں کو تکلیف ہو گی یا پھر تمہیں تکلیف ہو گی باہر سے لوگ گزریں گے۔

پھر کوئی صحابی گھر بنا رہا تھا اس نے بھی کھڑکی رکھی اور اتفاق یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اس طرف سے ہوا۔ آپؐ نے پوچھا کھڑکی کیوں رکھ رہے ہو؟ عرض کی میرے گھر کا دروازہ اس طرف ہے اور آپ کی مسجد اِس طرف ہے جب اَذان ہو گی مجھے سنائی نہیں دے گی۔ سردیاں ہیں اندر لیٹا ہوں تو اَذان نہیں سنتا تو دروازہ نہیں کھول سکتا تو کھڑکی کھلی ہو گی تو اس طرف سے اَذان سنائی دے گی۔

تو پھر خود حضورؐ نے فرمایا کہ دیکھو یہ صرف اَذان نہیں سنے گا اس کھڑکی سے ہوا بھی داخل ہو گی اور وہ نیک بخت زائد منافع میں ہوا لے گیا آپ نے بند کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اُس کی کھڑکی بھی رہنے دی اور فرمایا یہ ہوا جو لے گا۔ یہ منافع میں لے گا اِس کھڑکی سے ہوا مفت میں جائے گی لیکن اِس نے ہوا کے لیے نہیں رکھی اس نے ہوا کے لیے نہیں رکھی اِس نے ہوا تو مفت میں لی۔

یعنی جو کام مومن کرتا ہے۔ دنیا کا منافع اُس پر بھی وہ ہوتا ہے حدیث شریف میں بے شمار دنیوی منافع کی خبر دی گئی ہے لیکن وہ اس کے کام کا مقصد نہیں ہے وہ زائد منافع ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں عمر کی زائد کا منافع ملتا ہے یا اُس پر کوئی مصیبت ٹلتی ہے یا کوئی اور فائدہ اسے ملتا ہے تو سارا ایک زائد منافع ہے اُسے ملتا ہے اصل کام کرنے کی جو غرض ہوتی ہے۔ مومن کی وہ آخروی منافع ہوتا ہے۔ جس کا مدار اللہ کی رضا پر ہے وہ کام اُس غرض سے کرتا ہے اور وہ دنیا کا منافع بھی پاتا ہے اور کافر کام کرتا ہی دنیا کے لیے ہے اور وہ دین کے نام پر بھی کرے تو بھی اُس کا مقصد دنیا ہوتی ہے۔

تو فرمایا میں بھی کام کر رہا ہوں۔ اور جسے یقین نہ آئے وہ اپنی راہ اختیار کر کے دیکھ لے۔ عنقریب ہر ایک کو پتہ چل جائے گا۔

آخرت کا گھر کن لوگوں کے لیے ہے اور یہ یاد رکھو۔ یہ پکی بات ہے کہ نافرمان کبھی فائدے میں نہیں ہوتے۔ نافرمانی پر کبھی انعام نہیں ملتے۔ یہ بڑی طے شدہ بات ہے کہ کوئی بھی شخص جو اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کرے گا۔ وہ اپنے اعمال کی اُمید پہ کرے گا۔

تو اسلام کی بنیاد اِس بات پہ ہے کہ ہمارا مرنا جینا دوست دشمن ہماری عبادت، ہماری محنتیں اور مشقت اور دنیوی امور بھی اس نظریہ کے ساتھ انجام پائیں کہ ہر کام اُس کے اُخروی نتائج کو دیکھ کر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے مطابق کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

حضرت مولانا محمد اکرم

اپنی اِصلاح

لوگ ایک دوسرے کو تو صحیح ہونے کا اور اپنی اصلاح کرنے کا مشورہ دیں گے لیکن اپنی فکر نہیں کریں گے۔ ہم دیکھتے ہیں لوگوں میں ایک رواج سا ہو گیا کہ دوسروں کی خطائیں اور میرا کردار دیکھ کر اپنے آپ کو اُن خطاؤں میں گناہوں میں ملوث کرتے ہیں اور اگر اصلاح کی بات کی جائے تو ہر شخص یہ کہتا ہے میں اکیلا تو یہ بات نہیں کر رہا اور بھی تو ایسے لوگ ہیں جو کرتے ہیں۔

خداوند کریم نے ایک قانون ارشاد فرمایا ہے

تمہارے ذمہ تمہارے اپنے وجود کی ذمہ داری ہے اور یہ خطاب بالخصوص مومنین کو ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ ایمان کرتا ہے یا ایمان لاتا ہے تو اُسے اُس اپنے قول کو نبھاتے کے لیے ایمان کو ثابت کرنے، اور ثابت رکھنے کے لیے اپنے آپ کی، اپنے اعتقادات کی، اپنے اعمال کی خبر گیری کرنا ہو گی۔

لیکن ایسا نہیں ہوتا لوگ برائی کرتے ہیں، جوا کھیلتے ہیں۔ اُن کے عقائد بھی درست نہیں ہیں لوگ عیاشی کرتے ہیں۔ ناجائز طریقے سے روپیہ کماتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں۔ اگر تم اپنے آپ کی اصلاح کر لو تو کوئی بھی گمراہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ یعنی بگاڑ تب ہی آئے گا اگر کوئی کمزوری خود تمہارے ہاں موجود ہو۔ جس طرح مختلف احوال و کیفیات یا نتائج جو ہوتے ہیں وہ تب سامنے آتے ہیں کہ کوئی قدرِ مشترک پائی جائے۔

ایک شخص کو سردی لگ کر بخار ہوتا ہے اور اگر دوسرے کو اُس سے کم تر درجے کا ہو جائے اور اسے بھی سردی لگے تو ڈاکٹر یہ کہتے ہیں کہ دونوں میں مرض کے بنیادی جراثیم ایک سے ہیں۔ ایک میں زیادہ ہو گئے اُسے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ دوسرے میں کم ہے اسے کم ہوتی ہے لیکن ایک جیسا مرض تب ہی ہو گا جب جراثیم ایک جیسے ہوں گے۔ اِسی طرح معاشرے اور ماحول میں جب ہم خطاؤں میں ملوث ہوتے ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ دوسرے کا گناہ ہمیں ملوث کر دیتا ہے۔ اصل بات یہ ہوتی ہے کہ اُس طرح کی خواہش خود ہمارے اندر ہمارے دل میں موجود ہوتی ہے اور وہ کمزوری خود ہمارے اندر ہوتی ہے جب ہم اس کا ازالہ نہیں کر پاتے اُس کی اصلاح نہیں کر پاتے تو اُس طرح کے مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ایمان نام ہی اس بات کا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے سامنے میری کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس کے احکام کے سامنے میری خواہشات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ سارے ایمان کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام عظمتیں اللہ کے لیے ہیں اور سارا عجز و انکسار میرے لیے ہے حاکم وہ ہے میں اُس کا بندہ ہوں۔ حکم اُس نے دینا ہے اور مجھے اپنی حیثیت کے مطابق پوری کوشش کر کے عمل کرنا ہے تو گویا ایمان ایک طرح سے نام ہوا اپنی خواہشات سے دستبردار ہونے کا۔ اگر اس میں آدمی کو ایک خاص قوت ایک خاص ملکہ حاصل نہیں ہوتا جو بھی شخص دنیا میں رہتا بستا ہے وہ غذا بھی سب لوگ ایک سی

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

کھاتے ہیں، سانس بھی ایک سی ہوا میں لیتے ہیں۔ پانی بھی ایک جیسا پیتے ہیں، دن رات بھی اُن کے ہاں ایک جیسا ہے ماحول اور معاشرہ بھی ایک جیسا ہے تو یقیناً اُن کی خواہشات بھی ایک جیسی ہی ہوں گی۔

اگر فرق پڑے گا تو اِسی ایک بات سے کہ ایمان کافر اور مومن کو تقسیم کر دے گا۔ کافر ساری راحت اپنی خواہشات کی تکمیل میں پائے گا اور جو کبھی ممکن ہی نہیں ہے کہ دنیا میں ہر انسان جو چاہے وہ ہوتا رہے یہ ممکن نہیں ہے اِس لیے دنیا بھی بڑی مصیبت ہے اور مومن اپنے آرام کو اپنے سکون کو اطاعت باری میں پائے گا۔ اپنی خواہشات کو اُس پر قربان کر دینے میں پائے گا۔ لیکن اگر ہم عملی زندگی میں دیکھیں تو بہت کم خوش نصیب ہیں جنہیں یہ درجہ حاصل ہے۔

دعویٰ ایمان بھی ہے رکوع و سجود بھی ہے حج بھی ہیں سارے عبادات میں کوشش اور محنت ہے۔ روزے بھی رکھے جاتے ہیں۔ لیکن ہر شخص کوئی نہ کوئی اپنی خواہش لیے ہوئے روتا پیٹتا چلاتا پھرتا ہے۔

یہ اس لیے ہے کہ ہم نے اس پہلو پر غفلت برتی ہوئی ہے ہم نے اس پہلو پہ کبھی سوچا نہیں ہے۔ آپ اندازہ کریں ہمارے ہاں لوگوں کی بڑی قسمیں ملتی ہیں۔ بعض نمازیں پڑھتے ہیں اور بعض نہیں پڑھتے بعض تسبیحات پڑھتے ہیں، بعض نہیں پڑھتے، بعض روزانہ تلاوت کرتے ہیں بعض بے نصیب ہیں نہیں کرتے، بعض نے حج کر رکھا ہے بعض نے نہیں کیا لیکن جب ہم خواہشات اور آرزوؤں کے میدان میں نکلتے ہیں، معاملات کی گلی میں دیکھتے ہیں، دنیاوی دولت اور روپے پیسے کے معاملے میں آتے ہیں تو حاجی ہے یا نمازی ہے یا بے نماز ہے سب ایک جیسے نظر آتے ہیں، ناجائز طریقے سے دولت آرہی ہو حلال ہو یا حرام ہو سارے اچانک لیتے ہیں۔ وہاں پتہ نہیں چلتا کون نمازی ہے یا کون حاجی ہے اور کون بے نماز ہے۔

یعنی نام تو رہ گیا ہے ایمان اور اطاعت الٰہی کا اور عملاً زندگی اُس سے خالی ہے اللہ کریم فرماتے ہیں تمہیں اپنے آپ کو سنبھالنا ہے یہ تمہارے ذمہ ہے تم نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کریم تمہارے وجود سے وہ خواہشات اور ضروریات منقطع کر دے۔ اگر خدا حکم دیتا کہ مَیں نے تجھے خواہ مخواہ مومن رکھنا ہے تو پھر خدا کے ذمہ ہوتا کہ وہ ایمان کے منافی جتنی خواہشات ہمارے وجود سے اُٹھا دیتا۔ نبوت اللہ نے وہبی طور پر دی ہے۔ نبیوں اور رسولوں کے لیے خدا نے کہا ہے کہ یہ میرے نبی ہیں یہ میرے رسول ہیں۔ تو اُن سے خطا کا امکان اُس نے ہٹا دیا ہے، معصوم بنا دیا ہے انہیں۔

ہم نے خود ایمان قبول کیا ہے اپنے اختیار سے اب اُس پہ قائم رہنا ہمارے ذمہ ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اپنے آپ کو سنبھالنا یہ تمہارے ذمہ ہے۔ تمہاری ذمہ داری ہے، کہ جب خواہش پیدا ہو تو اُسے اللہ کی بارگاہ میں لے کر چلو اگر تو وہ خدا کو بھی پسند ہے تو پھر ٹھیک ہے اور اگر وہ خواہش ہی ایسی ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں حضوری کے قابل نہیں ہے اور حضورِ نبوی میں بیان نہیں کیجا سکتی تو اُس کے لیے محنت کرنا کیا معنی اور اُس کے لیے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے یعنی سرے سے اُسے چھوڑ ہی دینا کمال ایمان ہے نہ کہ اُس کے لیے پریشان ہونا شروع کر دے اور اُس کے پیچھے بھاگتا پھرے۔

فرمایا:۔ دنیا کو دیکھنا چھوڑ دو، تمہارے ذمہ تمہاری اپنی اصلاح ہے دنیا کی اصلاح کے تم ذمہ دار نہیں ہو۔ دوسروں کے کردار کو، دوسروں کی برائی کو مت دیکھو، دوسروں کی گمراہی کو مت دیکھو تم اپنی خبر گیری کرو جب تم اپنی اصلاح کر لو گے۔ تو ساری انسانیت بھی اگر خدانخواستہ گمراہ ہو جائے، تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، اگر تم دوسرے انسانوں سے متاثر ہو گے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو محفوظ کر نہیں سکے۔ اپنے آپ کو اس جگہ نہیں پہنچا سکتے، جہاں تجھے پہنچنا چاہیئے۔

اس مفہوم کی ایک حدیث اور ہے حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسلام یا ایمان ایک قلعہ ہے جب آدمی اس کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ تو ہر قسم کے دشمنوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہی بات اِس آیت کریمہ کا مفہوم ہے کہ اپنے آپ کو اِس کے اندر داخل تو کر لو۔ اپنی خبر گیری تم کرو، جب تم ہدایت پر ہو گے تو دوسروں کی گمراہی تجھے نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ اور یاد رکھو تم سب کو لوٹ کر اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔ اگر کوئی عیاشی کر رہا ہے، اگر کوئی ناجائز وسائل سے دولت سمیٹ رہا ہے اگر کوئی دنیا کی حکومت بھی لے لے تو یہ مت بھولو کہ وہ بھی

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

تمھارے ساتھ کوچ کرنے والا ہے۔ ان تمام چیزوں سے اس کے لیے بھی دوام نہیں ہے۔ کہ وہ وہ لے کر ان تمام چیزوں کو بیٹھا رہے گا اصل بات یہ ہے کہ تمھیں بھی، اُس کو بھی، مومن، کافر، تم سب کو لوٹ کر ایسی بارگاہ میں جانا ہے کہ تم اپنے اعمال کو شاید بھول جاؤ وہ تمھارے اعمال کو بھولا نہیں ہو گا۔ تم سے تمھاری تمام زندگی کا تذکرہ کرے گا۔ وہاں ایسی بارگاہ ہے جہاں تمھیں بتایا جائے گا کہ تم ظاہر میں یہ تھے اندر میں یہ تھے۔ تم کہتے یہ تھے اور کرتے وہ تھے تو اپنے آپ کو اُس بارگاہ کے لیے اُس میدان کے لیے وہاں کی حاضری کے لیے تیار کر لو۔

یہ ساری محنت، یہ سارے مجاہدے۔ یہ سارے ذکر اذکار، یہ ساری توجہات صرف اِس لیے ہوتی ہیں کہ انسان اپنے آپ کو حضورِ الٰہی میں کھڑا کرنے کے قابل بنائے یہ ذکر اذکار یہ صحبتیں یہ محفلیں بنیاد بنتی ہیں۔ وہ قوت انسان کے اندر پیدا کرنے کی جو اُس کی اپنی اصلاح کا سبب مہیا کرے۔

جس طرح دنیا میں اصول ہے لوگوں نے اصول الٹا اپنا لیا ہے دنیا میں اپنے سے اوپر دیکھتے ہیں اور بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں فلاں کے پاس موٹر ہے میرے پاس بھی ہونی چاہیے۔ اُس کے پاس دو کوٹھیاں ہیں، میری تین ہونی چاہئیں۔ یہ مسابقت لوگ دنیا میں کرتے ہیں حقیقتاً دین میں ہونی چاہئیں۔

چونکہ دین ایک دائمی اور ابدی دولت ہے دنیا ایک عارضی اور لمحاتی شے ہے۔ دنیا میں اپنے سے نیچے دیکھنا چاہیے کہ مجھ سے کمتر لوگ گزارہ کر رہے ہیں۔ مجھ پر اللہ کا احسان ہے۔ میں اُن سے آسودہ حال ہوں۔ اور دین میں اپنے سے آگے دیکھنا چاہیے کہ میں نے تو دو رکعت نوافل پڑھے ہیں اور جو میرے ساتھ ہے اِس نے چھ پڑھ لیے ہیں۔ میں آٹھ کیوں نہ پڑھتا۔ میں نے ایک گھنٹہ ذکر کیا ہے اور اس نے پانچ گھنٹے کر لیا ہے میں کیوں نہ کرتا۔ اب ہم ذکر بھی کرتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ میرا خیال ہے کسی لطیفے پر پانچ منٹ لگ جائیں۔

ہم جب لطائف کیا کرتے تھے۔ میں نے یہ منٹوں کی سوئی گھڑی سے نکال دی تھی پریشان کرتی تھی۔ سیدھا سیدھا حساب ایک گھنٹہ دو گھنٹے۔ سوئی ہی نکال دی تھی گھڑی سے کہ جب گھڑی دیکھو پریشان کرتی ہے اتنے منٹ ہو گئے، سیدھا سیدھا حساب اتنے گھنٹے ہو گئے اور کم از کم فجر کے لطائف ہم چار گھنٹے کیا کرتے تھے اور یہ معمول تھا ایک آدھ دن نہیں۔ اُن دنوں چھ سوا چھ بجے سردیاں تھیں۔ فجر کی نماز ہوتی تھی تو دو سے چھ تک صرف لطائف کیا کرتے تھے یہ اِس لیے کہ اپنے آپ میں کوئی مثبت تبدیلی آئے۔ اپنے آپ کو تراشا تراشا جائے تو آپ حضرات کو جو لمحات یہاں نصیب ہوتے ہیں اُن کی پوری محنت کے ساتھ اِس کام پر لگائیں۔ یہ درست نہیں ہے کہ آپ ان حالات میں آرام کو تلاش کریں یا اِن اوقات میں آپ فراغت کو تلاش کریں۔ کل یہاں ساری جماعت ذکر کر رہی تھی ایک ساتھی باتھ روم میں بیٹھا کپڑے دھو رہا تھا یہ بات درست نہیں ہے آپ نے وقت نکالا، گھر چھوڑا گھر کا کام چھوڑا جس کام کے لیے آئے ہیں اُس کو اولیت دیں۔ باقی امور کے لیے جو اُن کے اوقات ہیں۔ اُن میں کریں آرام کے لیے بھی آپ کے پاس وقت ہے غسل کے لیے بھی آپ کے پاس وقت ہے اِن سارے امور کو اُن کے اوقات میں کریں۔ اگر آپ یہاں ایک ہفتہ اپنی زندگی کو نصاب کے مطابق نہیں گزار سکتے تو کون امید رکھے کہ آپ سے کہ پوری زندگی آپ مربوط نصاب کے مطابق گزار لیں گے۔ حالانکہ اسلام تو ہے ہی اپنی زندگی کو نصاب کے اندر بند کر کے گزارنے کا نام۔

تو ہماری یہ محنت۔ ہماری یہ کوشش، ہمارا یہ مل بیٹھنا یہ توجہات یہ اذکار ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک قوت پیدا ہو جائے کہ وہ اپنی زندگی کو اس ٹائم ٹیبل کے مطابق ڈھال لے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ سونے جاگنے میں کھانے پینے میں، کمانے میں، خرچ کرنے میں تمام معاملات

جناب اعجاز حسین کراچی والے کے والد محترم دنیائے فانی سے تشریف لے گئے۔ تمام حلقۂ احباب سے دعائے مغفرت کے لیے التماس ہے۔

احباب سے التماس ہے کہ محمد جاوید مغل صاحب کی والدہ ماجدہ کے لیے دعائے مغفرت فرمائی جائے۔

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

میں تمام عقائد میں تمام اعمال میں انسان اپنے آپ کو اُن حدود کے اندر محدود کرے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں تلک حدود اللہ فلا تقربوھا حدود الٰہیہ جو ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ۔ اُن سے کافی اندر رہو۔ یعنی جہاں اللہ جل شانہٗ نے رخصت بھی دی ہے ہو سکے تو وہاں بھی مشقت اور استقامت اپناؤ نہ یہ کہ جہاں استقامت کا حکم ہے وہاں بھی رخصت پہ چلے جاؤ۔

اور یاد رکھو کہ اگر آدمی یہ سمجھے یہ تو نفلی عبادت ہے اِس کو اتنی اہمیت دینے کی کیا ضرورت ہے تو فرائض کی اہمیت تو از خود ہے اگر آپ نوافل یا نفلی عبادات کو مستحبات کو اہمیت نہیں دیں گے تو فرائض کی اہمیت تمار خود ہے اور جو شخص صرف فرائض کی اہمیت پہ رہتا ہے اُس کے ساتھ نفس اور شیطان کا مقابلہ بھی فرائض ہی پہ ہوتا ہے۔ میرا اس قلعے کی تین دیواریں ہیں۔

فرائض ایک دیوار ہے اِس قلعے کی سنت اُس کے باہر کی دیوار ہے۔ نوافل اُس کے باہر کی دیوار ہے اور مستحبات اُس کے بھی باہر کی دیوار ہے۔ تو حق یہ بنتا ہے کہ مقابلہ دشمن کے علاقے میں کیا جائے اپنے قلعے سے بھی آگے جا کر۔ یعنی وہ اعمال اور وہ نیکیاں اپنائی جائیں جو ہمارے ذمہ نہیں ہیں اگر ہم نہ بھی کریں تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے ایسے اعمال کیے جائیں اگر یہ نہ ہو سکے۔ تو کم از کم باہر کی دیوار پر تو لڑائی ہو سکے۔ اگر اس نے باہر کے مستحبات کا قلعہ بھی چھوڑ دیا کہ یہ اتنا اہم نہیں تو مقابلہ سنت پر آ جائے گا اور اگر سنت کی اہمیت بھی اُٹھ گئی تو مقابلہ ہی اندر کے قلعے پر ہوگا۔ دو قلعے تو شیطان کے پاس ہوں گے ایک قلعہ ہمارے پاس ہوگا کب تک مقابلہ ہوگا۔

ایک ارب پتی تھا امریکہ کا ہی اُس کا عجیب قول ہے اُس سے کسی نے پوچھا تھا تم نے روپے کیسے بچا لیے اِن ساری ضروریات کے باوجود اور اِن اخراجات کے باوجود تم نے روپے پیسے کیسے بچا لیے اُس نے کہا کہ روپے تو اپنے آپ کو خود بچاتے ہیں میں تو پیسے بچاتا رہا۔ ایک ایک پیسے کی حفاظت کرتا رہا ہوں روپے تو اپنے آپ کو خود بچاتے ہیں۔ اور بڑی عجیب بات کی ہے اُس نے واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔

کہ اگر آپ ایک پیسہ بھی خرچ کرنے کو نہ جائیں ایک ایک پیسے پہ اپنے آپ کو روکے رکھیں تو روپے کو تو خرچ کرنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اگر اس کلیے کو آپ اپنے دین پہ اپنا لیں تو یہ بہت سنہری کلیہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے مستحبات جو ہیں اگر ان کا اہتمام کیا جائے تو سنن فرائض کا اعلیٰ انتظام ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ یہ سب کچھ اس بات کو دیکھ کر کرو کہ تمہیں تمہارا اپنا جواب دینا ہے اس بات کو چھوڑ دو کہ لوگ کیا کر رہے ہیں اگر ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر کرے تو سارا ماحول سُدھر جائے۔ مسلمانوں کا ہی ہر شخص اگر اپنی اپنی فکر کرے آپ دیکھیں ایک لمحے ایک آن میں سارا ماحول ٹھیک ہو سکتا ہے۔ بگاڑ کی صورت ہی یہ ہے کہ میں آپ سے کہتا ہوں کہ بھئی اپنی اصلاح کرو آپ اگلے سے کہہ دیتے ہیں اپنی اصلاح کر لو کہتا ہر کوئی رہتا ہے اور کرتا کوئی نہیں ہے۔

تو میرے بھائی اپنی زندگی کے نصاب کو بدلو اور اپنے کردار کو اور اپنے عمل کو مثبت انداز میں بدلو۔ اگر یہ نہ ہو سکا تو سمجھ لو کہ ساری محنت کا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ان مجاہدات اِن راتوں کے اُٹھنے کا اِن اذکار اور توجہات کا مقصد اعلیٰ بھی یہ ہے کہ اطاعت الٰہی اور اطاعت پیامبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نصیب ہو جائے۔ اور خلوصِ دل سے نصیب ہو جائے۔ ہر شخص کو یہ چاہیے کہ اپنے اعمال پہ نظر رکھے اپنے عقائد کی اصلاح کرے اور اپنے آپ سے اتنا مجاہدہ کرائے جتنی اُس میں ہمت ہے۔ اپنی حیثیت کے قوت صرف کرے دوسرا اگر کمزور ہے تو اُسے دیکھ کر بیٹھ نہ رہے دوسرے سے اگر خطا ہوتی ہے تو اُس کے لیے بھی اللہ سے استغفار کرے اور خود کو اُس خطا سے بچانے کی کوشش کرے۔

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

ایمان میں استقامت

حضرت مولانا محمد اکرم

خداوند کریم نے ہدایت کے لیے اور ایمان کی بنیاد کے طور پر انسان کے ایک خاص مزاج کی نشاندہی فرمائی ہے کوئی بھی وصف ہوتا ہے یا کوئی بھی کمال ہوتا ہے اس میں جانبین کی استعداد مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً ہم پڑھنا ہی چاہتے ہیں تو پڑھانے والا معلم جو ہے وہ قابل ہونا چاہیئے اور اس کے ساتھ طالب علم کی استعداد بھی ضروری ہے، وہ بھی ذہین ہو، محنتی ہو، مستقل مزاج ہو۔ اور وہ اس سے علم حاصل کر سکتا ہے دونوں میں سے اگر ایک میں بھی کمی ہوگی تو بات نہیں بن سکتی۔

اس طرح ہم تصوف یا روحانی کمال حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے شیخ یا اُستاد جو ہو اُسے اس فن میں دسترس حاصل ہو اور اس میں اتنی قوت ہو کہ وہ دوسروں کو یہ نعمت پہنچا سکے یا منتقل کر سکے۔ بالکل اسی کے ساتھ طالب کی طلب بھی صادق ہو اور اُس کا مزاج بھی مستقل ہو۔ ایک شخص اگر صدی بھر محنت کرتا رہے لیکن اُسے تیقن حاصل نہ ہو وہ کشش و پنج میں رہے کہ دیکھتے ہیں شاید کوئی ہو ہی جائے ممکن ہے کچھ بھی نہ ہو تو ایک صدی کی محنت بھی اُسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔

اگر شیخ ہی کامل نہ ہو تو پھر بات سرے سے ہی گئی لیکن اگر شیخ کامل بھی ہو اس میں استعداد بھی ہو قوت بھی ہو عطا بھی کر سکتا ہو اور طالب ہی مذبذب رہے تو وہ اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

اسی طرح اللہ کریم فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے کتاب ہدایت ہونے میں کوئی شبہ نہیں کوئی کمی نہیں، کوئی کسر نہیں ہے یہ ایک کامل جامع اور اکمل ترین صحیفہ ہے۔ لیکن افرادِ انسانی کی استعداد مختلف ہے۔

قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے طالب کا مستقل مزاج ہونا ضروری ہے جم جائیں۔ ایک تیقن ہو اس میں۔ ایک اعتماد ہو اُس میں۔ اور اگر زندگی بھر محنت کرتا رہے لیکن مذبذب میں رہے تو اسے فائدہ نہیں ہوتا۔ ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ ھی اقوم۔ اقوم کا مطلب دو طرح سے بنتا ہے ایک تو یہ کہ وہ ٹھوس بات کو قبول کرے۔ خرافات کو قبول نہ کرے۔ اور دوسرے یہ کہ جب وہ بات کو قبول کرے تو پھر وہ بات اُس کے وجود کا حصہ بن جائے آپ نے دیکھا ہوگا بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اُن پر کوئی عام رنگ نہیں چڑھتا۔ لیکن اگر کوئی رنگ وہ قبول کرتی ہیں تو خود اُس رنگ میں رنگی جاتی ہیں۔ پھر زندگی بھر وہ اُن سے علیحدہ نہیں ہو سکتا یعنی ایسا مضبوط ذہن کا انسان ہو کہ وہ عام بات کو، خرافات کو، ہلکی پھلکی بات کو، قبول ہی نہ کرے۔ اُسے ماننے کے لیے ٹھوس دلیل چاہیئے، ایک مستقل بنیاد چاہیئے اور جب اُس کو قبول کر لے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اُسے وہاں سے ہٹا نہ سکے۔

جیسے کسی صحابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان یا اسلام یا دین کیا شے ہے۔ خلاصہ کیا ہے۔ اس کا۔ چند لفظوں میں کیسے بیان کیا جا سکتا ہے تو ارشاد ہوا کہہ دے کہ اللہ ہے اور پھر اُس پر جم جا۔ اللہ کے ساتھ ایمان لے آ کہہ دے کہ اللہ ہے۔ اپنے تمام کمالات کے ساتھ، اپنے تمام اوصاف کے ساتھ، جیسا کہ اُس نے خبر دی ہے جیسا کہ اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے خدا ویسا ہی ہے۔ پھر اس پر جم جا کچھ ہو جائے تو اس بات سے بالکل متزلزل نہ ہو۔

تو ہدایت کی بنیاد یہی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا۔

ہدایت دینے میں کمی نہیں ہے لیکن لوگوں کی استعداد مختلف ہے۔ ہدایت پاتے وہی ہیں۔ قرآن کریم عملاً ہدایت اُنہی کو دیتا ہے جو مضبوط اور مستقل مزاج ہوں۔ اس کے ہدایت دینے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ صدیوں کا کفر ایک کلمے میں اُڑا دیتا ہے اور اس شخص کو بشارت کا حکم دیتا ہے

جو بھی ایمان لے آئے ایمان لاتے ہی یہ کہتا ہے تجھے مبارک ہو لیکن ایمان کا تقاضا کیا ہے ایمان وہ لاتا ہے جس کے اعمال بھی صالح ہوں اگر اس کے اعمال کو اس کا ایمان متاثر نہیں کر سکا تو اُس ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا مسلک ہی یہ ہے کہ ایمان نام ہی اعمال کا ہے امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعمال نہ بھی کرے تو

http://kunooz-e-dil.blogspot.com/

یہ کہنا کہ خدا واحد ہے لا شریک ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں یہ بھی تو ایک عمل ہے اِس عمل کو ضائع کیوں کرتے ہو

یعنی کلمۂ اسلام کو پڑھنا، اس کا قبول کرنا یہ بھی تو ایک عمل ہے نا اَب یہ اُس کی مرضی کہ اس ایک عمل پر رحم فرمائے معاف کر دے تو وہ قادر ہے ورنہ ایمان کا تقاضا یہ ہے۔ ایمان نام ہے یقین کا۔ ہم دیکھتے ہیں ہمارے سامنے کوئی شخص ایک پیالے میں زہر ملا دیتا ہے ہمیں یقین ہے کہ اس میں زہر ہے نہیں پئیں گے۔

اس طرح جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اعمال کو، بعض اشیاء کو حرام قرار دے دیا۔ اُن سے منع فرما دیا تو اب یہ ایمان کا کمال ہے کہ ہم اُسے اُس زہر آلود پانی سے بھی زیادہ خطرناک سمجھیں کہ زہر آلود پانی پینے سے موت جسمانی وارد ہوتی ہے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے سے موت روحانی وارد ہوتی ہے۔ موت جسمانی صرف اِس عالم سے برزخ میں منتقل کرتی ہے اور موت روحانی ایمان اور اسلام سے کفر کی طرف دھکیل دیتی ہے اور ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا کرتی ہے۔ موت جسمانی سے تو کسی کو فرار نہیں ہے یہ تو اِس راستے کی ایک منزل ہے ایک دروازہ ہے جس سے گزر کر ہمیں اپنے گھر کو اپنے اصل ٹھکانے کو جانا ہی جانا ہے لیکن موت روحانی سے اللہ پناہ دے وہ تو انسان کو اصل ٹھکانے سے بھٹکا کر ایک نہایت ہیبت ناک ویرانے میں پھینک دیتی ہے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا جس میں موت کو انسان پکارے گا لیکن موت کو بھی نہیں پا سکے گا۔

یہ انسان جو زندگی پر حریص ہے زندگی کی خواہش رکھتا ہے خدانخواستہ جہنم میں چلا گیا تو پھر موت کی طلب میں تڑپتا رہے گا موت بھی نصیب نہیں ہوگی۔

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اعمال صالح ہوں۔

اس دور کا ایک مسئلہ ہے۔ بڑا مغالطہ لگتا ہے ہم اعمال کو اپنی طرف سے مقرر کر لیتے ہیں کہ یہ بھی نیکی ہے وہ بھی نیکی ہے اور وہ بھی نیکی ہے۔

یاد رکھیں دنیا میں صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ جس بات کو صالح کہہ دیں وہ صالح ہے اور جس کو غیر صالح کہہ دیں وہ غیر صالح ہے۔

صحابہ کا اتباع بھی اِس لیے کیا جاتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منشا کو پہچاننے والے تھے اور براہِ راست حضور سے انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ اور پوری زندگی مرنا جینا حضور کی اتباع اور اطاعت کے لیے انہوں نے وقف کر دیا۔ ذاتی طور پر کوئی صحابی اپنی طرف سے نیکی بدی مقرر نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ ما و شما

اور آج کے دور کا تو یہ حال ہے کہ لوگوں نے عبادات کی جگہ رسومات کو اپنا رکھا ہے اور ہر علاقے میں ہر گاؤں میں ہر قبیلے میں ایک علیحدہ رسم ہے۔ یاد رکھیں کہ رسومات کبھی دین نہیں بن سکتیں۔ کوئی صلاحیت نہیں۔ ان رواجات میں اور رسومات میں عمل صالح وہی ہے۔ جو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کرنے کا حکم دیا اور اُس میں گھٹانا بڑھانا بھی کسی کے لیے جائز نہیں۔ جس وقت اور جو عمل حضور نے کرنے کا حکم دیا وہی صالح ہے اور جہاں اور جس عمل سے بچنے کا حکم دیا وہاں سے بچنا ہی صلاحیت ہے۔

فرمایا:۔ قرآن کریم تو ایمان لانے والوں کو بشارت دیتا ہے ایمان لانے کے ساتھ ہی کہتا ہے تجھے مبارک ہو تمہارے لیے تو اللہ کا بہت بڑا اجر ہے۔ اجراً کبیرا۔ جس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتے تم۔ جسے ناپ نہیں سکتے۔ گن نہیں سکتے دنیا اور دنیا کی ساری نعمتوں کو خداوند عالم نے متاعِ قلیل کہا کہ تھوڑی سی ہے گزارے کی بات ہے۔ لیکن اکیلے مومن کے اجر کو اَجراً کبیرا کہا یعنی ایک ایک فردِ مومن جو انعامات دیے جائیں گے کم سے کم درجے والا بھی دنیا و ما فیہا سے زیادہ پانے والا ہوگا۔ چونکہ دنیا قلیل ہے اور اس کے مقابلے میں اجر کبیر ہوگا بہت بڑا اجر۔ جسے کبھی تو دیکھے گا ہر ایک ایک ایک سلطنت کا مالک ہوگا۔ بہت بڑے ملک جتنی جگہ اُس کی ذاتی رہائش کے لیے ہوگی۔

فرمایا۔

قرآن کریم میں ہدایت دینے کی کمی نہیں ہے بلکہ ایسا کامل اور جامع صحیفہ ہے جیسے کوئی اِس کے ساتھ ایمان لائے تو سب سے پہلے اُسے بشارت دیتا ہے کہ تیرے لیے وہ اجر مقرر ہے اب یہ اُس کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ قرآن کا ساتھ دیتا ہے یا نہیں ساتھ وہی دے سکے گا۔

جو مستقل مزاج ہو، شعور رکھنے والا انسان ہو اور جو مذبذب کمزور مزاج کا ہوگا۔ کبھی اس طرف کبھی اُس طرف تو ایسے لوگ ہدایت نہیں پا سکتے۔

تو اِس راہ میں استقامت بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے اللہ کریم عطا فرمائے۔

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

حسنِ اخلاق

فاطمہ صادق

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

یہ حدیث مسلمانوں کو اس بات کی طرف متوجہ کر رہی ہے کہ بڑائی اور فضیلت کے وہ معیار جو عام طور سے لوگ اپنے مفاد کی خاطر اختراع اور اختیار کر لیتے ہیں۔ ان سے الگ ہو کر یہ حقیقت پوری طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ اسلام میں فضیلت کا معیار اور بڑائی کی بنیاد کس چیز پر ہے بہتر ین لوگوں کا نمونہ انہیں قرار دیا گیا ہے جن میں حُسنِ اخلاق کا جوہر ہو اور یہی اس حقیقت کا معیار ہے۔ جسے اسلام پھیلانا چاہتا ہے اور اس کے قیام و دوام کو وہ اہلِ ایمان کی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ کتاب و سنت کی روشنی میں مقامِ اخلاق کیا ہے؟

اس کے بقا اور ارتقاء کے لیے اسلام ہم پر کیا ذمہ داری عائد کرتا ہے؟ اخلاق کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی حدود دکار کیا ہیں؟ اس عہد میں ہم نے جہاں اور بہت سی باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے وہاں اخلاق کے مفہوم تک سے اتنی بے اعتنائی برتی ہے کہ محض خوشامد اور چاپلوسی ہی کو اخلاق سمجھ لیا گیا ہے۔ اور اس طرح وہ لوگ جنہیں خوشامد کا ایسا فن آتا ہے کہ جس کے منہ پر گئے اس کی بات کہہ دی اور جہاں اپنا مفاد دیکھا وہیں نرم خوئی اور انکساری کا مظاہرہ کر کے اپنا مطلب نکالا۔ جب ہم اخلاق کی اعلیٰ ترین حیثیت سے لاپرواہ ہوئے تو انحطاط یہاں تک آیا کہ اخلاق کی معنویت اور مفہوم سے بیگانہ ہو گئے۔

اخلاق ہے کیا؟ یہ خلق کی جمع ہے۔ اور خلق عادت کو کہتے ہیں۔ گویا انسانی عادت کا نام اخلاق ہے اور عادتیں جس طرح اچھی ہوتی ہیں اس طرح بُری بھی ہو سکتی ہیں تو اچھی عادتوں کو حُسنِ اخلاق کہتے ہیں اور بُری عادتوں کے لیے سوءِ اخلاق کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر اخلاق کو اچھی عادتوں ہی کے معنی میں استعمال کرتے ہیں جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شخص با اخلاق ہے تو مراد یہی ہوتی ہے کہ اس کی ساری عادتیں اچھی ہیں اور وہ بڑی خوبیوں والا شخص ہے۔ لفظ اخلاق کی اس مختصر سی تعریف کے بعد اسلام نے اخلاق کو کیا حیثیت دی ہے اور اس کے لیے کیا اہتمام کیا ہے کہ لوگوں کی عادتیں بہتر ہو جائیں اور وہ ساری اچھی خوبیوں کے مالک بن جائیں۔ اسلام کا سارا نظام جو چھ اجزاء پر مشتمل ہے ان میں تین چیزیں عقائد و نظریات کے بارے میں ہیں جنہیں ہم توحید رسالت اور آخرت کے نام سے جانتے ہیں یہ وہ بنیادیں ہیں جن پر اسلام کے نظام کی ساری عمارت تعمیر ہے ان میں ہر عقیدہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اور ان تینوں کو پوری طرح مانے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلا سکتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے پھر انہیں تین عقیدوں سے جو نظام جنم لیتا ہے اس کے اجزائے عمل بھی تین ہی ہیں۔ یعنی عبادات، معاملات اور اخلاق قرآن کا نظامِ ہدایت اللہ تعالیٰ کی توحید کا یقین دلا کر اس کی حاکمیت کا عرفان عطا کر کے نمونہ و عمل اور ذریعۂ ہدایت کی صورت میں تصورِ رسالت سامنے لاتا ہے۔ پھر ساری زندگی کو اس احساس ذمہ داری کے ساتھ بسر کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے یہی تصورِ آخرت ہے۔ لہٰذا اللہ کو مانا ہے تو اس کا حقِ بندگی ادا کرو۔ یہ عبادات کا تصور اور اور اس کی بنیاد اور اس کا تقاضا ہے۔ پھر جب اللہ کو مالک، پروردگار اور بادشاہ تسلیم کیا ہے تو سارے معاملات یعنی وہ حقوق و فرائض کہ جو معاشرے میں ایک دوسرے پر عائد ہوتے ہیں۔ ان سب کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی کے مطابق ادا کرنے کا مطالبہ اسلام کرتا ہے اور یہی اسلامی نظام زندگی کا دوسرا جزو

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

ہے جسے حقوق العباد کہہ لیا جائے، یا معاملات پھر تیسری چیز انسان کی ہدایت کے لیے جو قرآن لایا ہے وہ انسانی عادتوں کو بہتر بنانے انہیں خود انسان کے اپنے وجود سے لے کر اس کے قرب وجوار اور اس کے دور ونزدیک، اس کے ماحول اور معاشرے میں بہتر طور طریقوں اور خوشنما اور مفید عادتوں کے ذریعے صحت مند ماحول پیدا کرنا ہے۔ ایک ایسا متمدن ماحول کہ جہاں سب لوگ ایک دوسرے سے محبت سے پیش آئیں اور شفقت کے ساتھ مل جل کر رہیں۔ ہر فردِ معاشرہ دوسرے کے حقوق کا نگہبان اور محافظ ہو، کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔ اور نہ کوئی کسی کو دکھ دے۔ بلکہ ہر آدمی کی تربیت اس طرح سے ہو کہ وہ سب کو راحت پہنچا کر خوش ہو اور دوسروں کے کام آکر اسے تسکین ملے۔ یہ تیسرا وجود ہے جسے ہم اخلاق سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی روشنی میں غور کیا جائے تو یہ صورت سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے سرکارِ دو عالمؐ کی صورت میں ہمیں رہنما رحمت فرمایا۔ ان کی ایک اہم ترین صفت اخلاق ہی کو قرار دیا اور فرمایا یقیناً آپ اعلیٰ ترین اخلاق پر ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاقی خوبیوں سے مزین فرمایا اور آپ کی ذاتِ گرامی میں حسنِ اخلاق کا جمال و کمال تکمیل کی صورت میں نسلِ انسانی کے سامنے رکھ دیا اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حسنِ اخلاق سے آراستہ کرنا چاہتا تھا لہذا اس کے لیے کتابِ ہدایت بھی عطا فرمائی۔ اور نمونۂ عمل بھی بخش دیا۔ یہ نمونۂ عمل حضورؐ کی ذاتِ گرامی ہے۔ یعنی تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ اور پھر اس آیت میں یہ بھی بات واضح فرما دی گئی کہ یہ نمونہ کس قسم کے لوگوں کے لیے ہے۔ اس سے فیض یاب ہونے کی شرائط خاص کیا ہیں تو ارشاد ہوا کہ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت کا طلب گار ہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو یہ نمونۂ عملی واقعی، نمونہ اخلاق ہے جو لوگ ان اخلاقی قدروں کو مانتے ہیں یہ انہیں تکمیلِ اخلاق کے مراحل میں سہولت کے ساتھ معیارِ مطلوب تک پہنچا دیتے ہیں۔

رسول اللہ کی حیثیت طیبہ کو قرآن بیان کرتا ہے وہ چار ہیں۔ یعنی آپؐ آیاتِ الٰہی پڑھ کر سناتے۔ یہ پہلی اور بنیادی حیثیت ہے جو قرآن نے بیان کی ہے۔ دوسری کتابِ الٰہی کی تعلیم ہے۔ یعنی رسول ہی معلم کتاب بھی ہیں۔ تیسری حیثیت جسے والحکمۃ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی حکمت و دانش اور رموزِ آیاتِ الٰہی عطا فرمائے۔ چوتھی حیثیت یہ بیان کی گئی کہ وہ ان کا تزکیۂ نفس کرے یعنی ان کے حال واحوال کی اصلاح کرے۔ ان کے اخلاق سنوارنے، ان کی عادات کی تربیت کرے۔ ان کے معاملاتِ تمدن اور معاشرت کے سارے گوشوں کو نکھار دے۔ گویا آپؐ جہاں آیاتِ الٰہی بندوں تک پہنچانے والے اس کتابِ الٰہی کی تعلیم اور حکمت سمجھانے والے ہیں۔ اخلاق کی درستگی بھی آپ ہی کا منصب ہے اور پھر آپؐ تو نہ صرف یہ کہ اخلاق کی اصلاح و درستگی کے لیے بھیجے گئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف میں اخلاق کی اعلیٰ ترین بلندیوں پر آپ کے فائز ہونے کا اعلان بھی قرآن حکیم میں ہی کر رہا ہے اور خود آپؐ نے بھی اپنی بعثت کا مقصدِ عظیم ایک حدیث میں یوں فرمایا دیا کہ:۔

"میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اعلیٰ ترین اخلاق کی تکمیل اور اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچا دوں"۔

گویا سرورِ دو عالمؐ اصلاحِ اخلاق کے لیے بھی تشریف لائے ہیں اور تمام کمالِ خلق بھی آپؐ ہی کا مقصدِ بعثت ہے جو شخص بھی کھلی آنکھوں اور کشادہ ذہن کے ساتھ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرے اس کے سامنے یہ حقیقتِ کبریٰ پوری طرح بے نقاب ہو جائے گی۔ کہ حضور نبی اکرمؐ اپنی ذاتِ گرامی میں اچھی عادات کا حسین ترین وجود ہیں آپؐ کی تعلیمات ایک انسان اور ایسا انسان وجود میں لائی جو اخلاقی خوبیوں کا معیاری نمونہ کہلا سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت فرمائی اس میں فرمایا کہ:۔

"لوگوں کے لیے اپنے اخلاق اچھے بنا دو یا بہتر طور پر لوگوں سے پیش آؤ"۔

پھر اخلاق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ نبیؐ نے اپنے لیے اچھے اخلاق کی دعا فرمائی ہے:۔

"اے اللہ آپ نے میرے جسم کو اچھا بنایا ہے تو میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا دے"۔

جسم کا حسن اللہ ہی نے عطا کیا ہے اور عادات کی خوبیاں بھی اُسی سے طلب کی جا رہی ہیں اس دُعا نے ہمیں یہ تعلیم بھی دی کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے اخلاق کی درستگی کی دُعا بھی کثرت کے ساتھ کرنا چاہیئے جو کہ آخرت کی کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے اللہ ربّ العزت ہم سب بہن بھائیوں کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم جو بات منہ سے اللہ کی رضا کے لیے بولیں اس کا عملی طور پر بھی ثبوت پیش کرنے والے بنیں۔

http://kroozedil.blogspot.com/

قاریہ

قصہ اِک محفل کا

گیدڑ کی جب شامت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف دوڑتا ہے ہماری جو شامت آئی تو ایک محفل میلاد میں جا بیٹھے۔

ہماری ایک بھوپھی نے جنہوں نے خواتین میں اپنی جماعت کو متعارف کرانے میں ہماری بہت مدد کی پیغام بھیجا کہ قریبی محلے میں خواتین کا ایک مدرسہ دریافت ہوا ہے جہاں ۱۲ ربیع الاول کو محفلِ میلاد منعقد ہو رہی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ میں بھی ان کے ساتھ چلوں مبارک دن ہے نعتیں بھی سنیں گے اور اگر موقع ملا تو خواتین کو اپنے طریقہ ذکر کے متعلق بھی کچھ بتا آئیں گے۔ پیغام کا آخری حصہ سن کر میں نے حامی بھر لی۔ فقط نعتیں سننے کے لیے ہم اسلئے تیار نہ تھے کہ اس جماعت میں آتے سے پیشتر نعت محض FOR MALTTX نبھاتے کے لیے سنا کرتے تھے۔ اس دوران بھی دھیان نعت خوان کی طرف شکل و صورت اور حلیے پہ رہتا کہ اس مصرعے پہ منہ کچھ زیادہ کھولا ہے۔ اس مصرعے پہ ہاتھ فلاں اداکارہ کی طرح اٹھایا ہے۔ شکل ایسی ہے آواز ویسی ہے۔ شلوار اونچی ہے۔ قمیض نیچی ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر اب کچھ عرصہ ذکر کر لینے کے بعد دل چاہتا ہے نعت خواں کیسا ہو اور کوئی بھی ہو لیکن اس کی نعت خوانی کے پیچھے ایک جذبہ ہو۔ عجیب سی تڑپ، عجیب تر سی کسک۔ خود بھی چشم نم رکھتا ہو۔ ہمیں بھی دیدۂ تر بنا دے۔ خدا جانے کیوں اگر ٹی وی پہ بغیر داڑھی کے حضرت اور بے پردہ خاتون نعت پڑھے تو لطف آنے کی بجائے طبیعت بے مزہ ہو جاتی ہے۔ بغیر جذبے کے محض آواز بنا بنا کے اور حلیے سنوار سنوار کر گائی جانے والی نعتیں سن کر طبیعت پہ بوجھ سا پڑ جاتا ہے۔

ایک چھوٹی سی گلی میں بڑا سا مدرسہ تھا۔ دروازے پر پہنچے تو ایک خیر خواہ نے مشورہ دیا کہ "جوتے ساتھ لے جایئے"۔ پوچھا کیوں؟ اور کیونکر؟ جواب ملا "یہاں چوری ہو جانے کے امکانات خاصے روشن ہیں رہا کیونکر؟ تو کسی لفافے میں ڈال کر بغل میں ڈال لیں"

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

مشورہ دل کو لگا، دل و جان سے قبول کیا اور اندر چلے گئے۔ خاصا بڑا ہال تھا جسے جا بجا جھنڈیوں، گوٹا کناری اور روضۂ اطہر و خانہ کعبہ کی تصاویر سے سجایا گیا تھا۔ بالکل سامنے چھکی نما تصویر، دائیں طرف ڈائس اور اس کے ساتھ مدرسہ کی طالبات کی قطاریں تھیں۔ سامنے جا بیٹھے۔ پچاس ساٹھ خواتین تھیں، کچھ دیر بعد تعداد سو ڈیڑھ سو تک جا پہنچی۔ شاید اس سے بھی کچھ زیادہ ہی ہو۔ میلاد شروع ہوا۔

باجی صاحبہ نے جو مدرسے کی انچارج و استاد تھیں۔ مائک پکڑا اور گویا ہوئیں "سب درود شریف پڑھیں" اللھم صل علی محمد ...." ابھی درود شریف مکمل نہ ہوا تھا کہ ایک شور سا اٹھا اور عورتوں کے جھگمٹے میں ایک خاتون بمعہ ایک عمر رسیدہ خاتون تشریف لائیں اور اسٹیج پر بیٹھ گئیں۔ معلوم ہوا یہ بڑی باجی صاحبہ ہیں پوچھا کیا مطلب؟ جواب ملا مدرسے کی مالکہ ہیں۔ باجی صاحبہ کے اسٹیج پر رونق آفرین ہونے کی دیر تھی کہ نچلے متوسط طبقے کی خواتین جن میں اکثر کے بیٹے سعودیہ یا دبئی میں مزدوری کرتے تھے آگے بڑھیں اور بڑی باجی صاحبہ کے گلے میں نوٹوں کے ہار ڈالے۔ کچھ دیر تک یہ شغل جاری رہا۔ پھر بڑی باجی صاحبہ نے مائیک پکڑ لیا اور تقریر فرمانا شروع کی۔ (تقریر پنجابی میں تھی ہم اپنی سہولت کے لیے اردو میں ہی لکھیں گے) اس دوران لہجے کا زیر و بم وہی تھا جو اکثر مساجد میں سننے کو ملتا ہے "ہم آج کے مبارک دن یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس سب ہنے کا ذکر کرنے آج رحمتوں اور برکتوں کا دن ہے۔ خدا کی شان دیکھو خود ہی رحمۃ اللعالمین بنانے والا خود ہی تعریفیں کرنے والا، خود ہی پیدا فرمانے والا۔ خود ہی خوشیاں منانے والا۔ یعنی ان اللہ کسی شک میں نہ پڑ جائیں خود اپنے حبیب کی خوشیاں منانے والا ہے۔ ان اللہ شک نہ کیجے میں خود جشن منانے والا ہوں۔ آج کے دن خود خوشیاں مناتا ہوں۔ (ہمیں حسرت ہی رہی کہ باجی صاحبہ ان اللہ کے آگے بھی اس آیت کا حوالہ دیں جس کا ترجمہ فرما رہی ہیں مگر تقریر کے خاتمے تک منتظر ہی رہے) اس کے بعد انہوں نے ہماری معلومات میں مزید اضافہ فرمایا "حضرت عبداللہ پہ دو سو مکے کی عورتیں عاشق ہو کر مر گئیں۔ (سبحان اللہ۔ سبحان اللہ کا شور سا بلند ہوا) ہاں پوری دو سو۔ عورتیں عاشق ہو کر مر گئیں۔ ان میں سے ایک رجو غالباً زندہ رہی تاکہ مسئلہ آگے بڑھایا جا سکے۔ رجو تورات اور زبور کا علم جانتی تھی حضرت عبداللہ کا راستہ روک روک کر کھڑی ہو جاتی۔ حضرت عبداللہ نے دیکھا عورت حسین بھی تھی اور تورات اور زبور کا علم بھی جانتی تھی اس لیے ایک دن اپنے ابا جی کے پاس گئے اور کہا کہ ابا جی اسطرح ایک عورت ہے۔ ان کے والد نے کہا پتر میں تو تمہاری بات آمنہ سے کر چکا ہوں۔ حضرت عبداللہ نے سنا تو سعادتمندی سے ہاں کر دی اور خاموش ہو گئے۔ اس قدر فرمانبردار تھے دو سو ڈیڑھ سو عورت سبحان اللہ سبحان اللہ پکار اٹھی۔ آخیر حضرت عبداللہ کی شادی ہو گئی۔ اب انہوں نے دیکھا کہ اب تو اس عورت نے راہ روکنا چھوڑ دی ہے۔ اور بات بھی نہیں کرتی حضرت عبداللہ بہت حیران ہوئے اور اس عورت کے گھر جا کر پوچھا کہ پہلے تو تم میری راہوں میں کھڑی ہوا کرتی تھیں۔ اب مجھ سے بات بھی نہیں کرتی ہو؟ اس پہ وہ عورت کہنے لگی۔ عبداللہ میں تورات اور زبور کا علم جانتی ہوں، مجھے تمہارے ماتھے پہ نور مصطفیٰ نظر آتا ہوتا مگر اب تمہاری حیثیت اس چراغ کی سی ہے جس سے تیل نکال لیا جائے تو بتی بجھ جاتی ہے" (اس کے بعد کے جملے لکھنے کا میرا قلم متحمل نہیں اتنا جانتی ہوں کہ اس ہر زہ رسائی کے بعد حاضرین محفل ماشاء اللہ ماشاء اللہ کہہ رہے تھے اور ان کے نزدیک نبی اکرمؐ کی شان میں اس سے بڑھ کر قصیدہ کسی اور نے نہ سنایا تھا)

اب مائیک بڑی باجی صاحبہ کے ہاتھ سے چھوٹی باجی صاحبہ کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا جسے پکڑتے ہی وہ بولیں "تمام بہنیں پورے عشق سے درود پاک پڑھیں اللھم صل علی۔ نسرین تم کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔ ہاں سب بہنیں نہایت محبت کے ساتھ درود شریف پڑھیں اللھم صل علی۔ بھئی یہ پیچھے مت کھڑے ہوں اور بیٹھ جائیں اور نہایت شوق سے درود پاک پڑھیں اللھم صل علی سیدنا۔ باجی اتنی دیر سے کیوں آئی ہیں نے نہیں آپ سے بولتی" اور یوں محبت سے درود پڑھنے کا کہنے والی باجی صاحبہ کا درود شریف مکمل نہ ہو پاتا اور درمیان میں انہیں کوئی بات یاد آ جاتی۔ یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا پھر نعت خوانی شروع ہو گئی۔

"کملی والیا سائیاں میری جندڑی نوں رول ناں"
بنا چکی ہوں کہ سُر نکال نکال کر بغیر جذبے کے گائی

http://kunooz-e-dil.blogspot.com/

جانیوالی نعت طبیعت پہ بوجھ سا ڈالتی ہے " محفل میلاد " سے فرار مشکل تھا۔ سر جھکائے درود شریف پڑھا کئے۔ کچھ دیر بعد مائک، پہ تیز آواز میں تقاریر شروع ہو گئیں۔ پوچھنے پہ معلوم ہوا کہ مدرسے میں ترجمہ و تشریح سے قرآن پاک ختم کرنیوالی بچیوں کی آج آمین بھی ہے۔ یوں محفل میلاد کے ساتھ یہ کام بھی نمٹایا جا رہا تھا۔ ترجمہ و تشریح سے کلام پاک ختم کرنا بذاتِ خود بہت بڑی سعادت ہے۔ ہم خاصے متاثر ہوئے اور ذرا سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ اس سعادت سے بہرہ ور ہونے والی ہر بچی کے لیے آج کے دن حاصل کردہ علم میں سے تھوڑا بہت ہم تک پہنچانا ضروری تھا۔ پہلی مستقبل کی باجی کے بعد جیب دوسری نے تقریر شروع کی تو گویا فلم ری پلے ہو گئی۔ حرف بہ حرف پہلی والی تقریر کی تھی۔ ہم نے حیرت سے پاس بیٹھی مدرسے کی ایک طالبہ کو دیکھا تو بھید کھلا کہ یہ تقاریر مدرسے کی استاد صاحبہ (جو ترجمہ و تشریح سے قرآن پاک پڑھاتی ہیں) نے لکھ کر دی ہیں۔ قرآن پاک ختم کرنے والی بچیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ (اور غالباً استاد صاحبہ کا علم محدود) اس لیے ایک تقریر دو دو طالبات کو دی گئی ہے۔ یہ سن کر ہمیں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا اور ایک میزبان شاعر یاد آگئے۔ جنہوں نے ایک دفعہ ہمیں رات ۸ سے ۱۱ بجے تک بٹھایا اور جگا کر اپنا کلام سنایا تھا۔ مگر وہ ایک غیر معروف بلکہ خود ساختہ شاعر کا بے سروپا کلام تھا جس سے ہم نے محض دل بہلانے کو کوئی نہ کوئی مزاح کا پہلو نکال لیا تھا لیکن اب تو — یہ تو کلام الٰہی تھا جس کے ساتھ مدرسے کے استادوں اور شاگردوں نے ایسا مذاق کر رکھا تھا کہ کوئی بھی فہم و ادراک رکھنے والا مسلمان پریشانی کی آخری حدوں کو چھو سکتا تھا۔

ملاحظہ فرمایئے طالبات کی تقاریر سے چند اقتباسات۔

ہر طالبہ کی تقریر بالکل ان الفاظ سے شروع ہوتی۔" صاحب صدر اور میری عزیز ماؤں بہنوں! میں آج جو کچھ ہوں اپنی استاد صاحبہ کی عنایت سے ہوں۔ میں تو کچھ نہ تھی لیکن میری استاد صاحبہ نے مجھے اس قابل بنا دیا کہ میں آپ کے سامنے بول سکوں اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو آج میں آپ کے سامنے بول نہ سکتی (کاش! ایسا ہی ہوتا)۔

ایک طالبہ آئیں اور گویا ہوئیں " ابی لہب کافر تھا اور ہم مسلمان ہیں۔ وہ آپؐ کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا تھا اور ہم آپ کے نام لیوا ہیں۔ مگر ایک مرتبہ آنحضورؐ کے بچپن میں اس نے ۱۲ ربیع الاول والے دن جشن منایا تو اللہ تعالےٰ کو اس کی یہ بات اتنی پسند آئی کہ اس کی شان میں پوری سورۃ نازل فرما دی۔ تَبَّتْ يَدَآ أَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔" اس بات پر مجمع عش عش کر اٹھا اور سبحان اللہ سبحان اللہ کا اسقدر شور بلند ہوا کہ پہلے کسی تقریر پہ نہ ہوا تھا۔ ہم نے گھبرا کر تَبَّتْ يَدَآ کا ترجمہ دل میں دہرایا۔ " ابی لہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو گئے اور وہ خود بھی تباہ و برباد ہو گیا۔ جو مال اس نے کمایا۔ کسی نے کچھ کفایت نہ کی۔ پس عنقریب بھڑکنے والی آگ میں داخل ہو گا۔ اس کی بیوی لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی اس کے گلے میں کھجور کی رسی ہے"

قارئین کرام! توجہ فرمایئے یہ تقریر وہ بچی کر رہی ہے جس نے ترجمہ و تشریح سے قرآن حکیم ختم کیا ہے اور لکھی ان محترمہ کے ہاتھوں گئی ہے جو قرآن پاک کے ترجمہ و تشریح کی تعلیم دیتی ہے اور ستم یہ کہ سننے والے ناخواندہ اور اسلام کی الف ب سے بھی ناواقف ہیں۔

ایک اور طالبہ آئی اور ایک نیا نکتہ اٹھایا جسے میں بلا تبصرہ یہاں منتقل کرتی ہوں " حاضرین محترم! قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی ارشاد ہوا ان لفظوں میں ہوا کہ ہم نے تمہارے پاس ایک نبی بھیجا۔ کہیں یہ نہیں کہا کہ نبی پیدا کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ آپؐ پیدا بہت پہلے کے ہو چکے تھے۔ ۱۲ ربیع الاول کو تو بھیجے گئے تھے"

آخر میں چھوٹی باجی صاحبہ نے تقریر فرمائی تو مجھے ایک بات یاد آگئی۔ اس دفعہ سالانہ اجتماع پہ گئی تو حضرت جی مدظلہ نے سنائی۔ کسی گاؤں میں ایک بڑھیا رہا کرتی تھی۔ گاؤں والے ہر بات اس بڑھیا سے پوچھا کرتے۔ ایک رات اس گاؤں سے ایک ہاتھی گزرا۔ حسب سابق وہ اس کے پاس گئے۔ اور پوچھا کہ ایسا کون سا جانور ہے جس کے پاؤں چکی جتنے بڑے ہوتے ہیں؟ بڑھیا نے یہ سنا تو پہلے روئی اور پھر مسکرائی۔ کسی نے اس رونے اور مسکرانے کی وجہ پوچھی تو وہ بولی روئی تو یوں کہ یہ سوچ رہی ہوں کہ میرے بعد یہ باتیں تمہیں کون بتائے گا اور ہنسی اس لیے ہوں کہ

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

پتہ مجھے بھی نہیں ہے ؛

خدا ہی بہتر جانے کہ اس میں کیا مصلحت ہے مگر ایسا ہوا ہے کہ میں نے جب گرد و پیش میں بسنے والوں میں طریقۂ ذکر متعارف کرانا چاہا تو دور دراز میں مدرسے قائم کرنے والی خواتین میرے پاس آئیں اور یوں مجھے (جو کہ اس قسم کی محفلوں میں جھوٹے سچے قصے سنائے جانے کی وجہ سے سخت چڑتی تھیں) وہاں جانا پڑا اور ہر مرتبہ طبیعت پہ گرانی لے کر لوٹی۔ ایک قریبی محلے کی خاتون جو گھر میں ہر جمعہ تسبیح نماز پڑھاتی اور نعت خوانی کرواتی بلکہ کرتی ہیں ذکر سیکھنے کے لیے آنے لگیں اور پھر واقعی دو تین ہفتوں ہی میں ان کے نظریات کافی حد تک بدل گئے اور وہ اصرار کرنے لگیں کہ میں ان کے ہاں آکر باقی خواتین کو بھی ذکر کروا جاؤں۔ گئی تو آگے نعت خوانی شروع تھی۔ ہماری قسمت کہ اس دن گیارہویں شریف بھی تھی۔ بیٹھتے ہی جو سننے کو ملا وہ یہ تھا

"میں صدقے غوث الاعظم توں جنہاں دیاں بانکیاں ٹوراں" (گویا غوث الاعظم نہ ہوئے سلطان راہی ہو گئے) ہم اسی پہ صبر کئے بیٹھے کہ یہ بھی سن لیا۔

"میری ستی پئی دی کھل گئی اکھ گلی وچوں کون لنگھیا"

میرا کروا لے دل دھک دھک گلی وچوں کون لنگھیا

او کڈیاں جنہاں توں ہنیا اشک گلی وے وچوں کون لنگھیا"

(میری سوتے میں آنکھ کھل گئی، گلی میں سے کسی کے گزرنے کا گمان گزرا تھا۔ قدموں کی چاپ پہ میرا دل دھک دھک کرنے لگا لیکن اگر کسی کو میرے کردار پہ شبہ ہے تو آئے میں اسے بتاؤں کہ یہ غوث گزرا ہے)۔

خیال رہے یہاں غوث سے مراد ہمسائے کا لڑکا نہیں بلکہ شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں۔

'کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی'

محلوں میں چھوٹے چھوٹے مدرسے قائم کرنیوالی یہ ان پڑھ خواتین تو ایک الگ باب ہیں۔ مسجدوں کے سپیکروں پہ چلاتے والے مولویوں کے کارنامے بھی کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں، محرم رمضان اور ربیع الاول کے مہینے تو خاص عوام کی شامتِ اعمال کے مہینے ہوتے ہیں۔ پچھلے محرم کی بات ہے ایک مولوی صاحب کی آواز کانوں سے ٹکرائی ہوئی دماغ ہلا گئی۔ فرما رہے تھے:" محرم

> صوفی کے کردار کی اصلاح پر عوام الناس کی اصلاح اور اس کی خرابی پر عام لوگوں کے کردار کی خرابی کا مدار ہوتا ہے۔ جہاں کوئی صوفی بگڑتا ہے وہ اپنے ساتھ سینکڑوں کو بگاڑ کر لے جاتا ہے۔ اور جہاں کوئی شخص اللہ اللہ کرتا ہے اور سدھر جاتا ہے۔ تو اپنے ساتھ سینکڑوں کو سدھار کر لے جاتا ہے۔ کیا یہ دلیل کافی نہیں کہ ایک صوفی کا کردار اک دنیا کو متاثر کرتا ہے۔
>
> (حضرت مولانا محمد اکرم)

تھی، گرمی غضب کی، سورج سوا نیزے پہ اتر آیا تھا، تین دن کی بھوکی پیاسی فوج تپتی ریت پہ دشمنوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اتنے میں میرے آقا خیمے میں آئے اور علی اکبر سے کہا باہر آؤ۔ حضرت علی اکبر باہر آئے اور جلدی سے واپس پلٹ گئے۔ میرے مولا نے پوچھا علی اکبر کیا بات ہے؟ علی اکبر آنکھوں میں آنسو لا کر بولے بابا جی میں نے میدان جنگ میں نہیں جانا۔ میرے مولا نے پوچھا کیوں؟ علی اکبر بولے مجھے اپنی بہن صغراں یاد آ گئی ہے"۔

آپ خود ہی فیصلہ کیجیے کہ جناب مولوی صاحب کے اس بیان میں حضرت علی اکبرؓ کیلئے تعریف پائی جاتی ہے یا توہین؟

یہ مدرسوں میں جھوٹے سچے قصے سنانے والی باجیاں اور سپیکرز پہ گا گا کر تقریریں کرنیوالے مولوی صاحبان۔ یہ لوگ کون ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟ اسلام کی "خدمت" کے پردے میں کیا ان لوگوں نے اسلام کی شکل مسخ کر کے نہیں رکھ دی؟ غوث الاعظم کی بانکی چال پہ قصیدے پڑھنے والی یہ بیبیاں غوث الاعظم کو کس روپ میں سامنے لانا چاہتی ہیں؟ کیا انہیں اتنا فہم ہے کہ غوث کسے کہتے ہیں؟ حضرت عبداللہ پہ فریفتہ ہو کر مرنیوالی دو سو خواتین کا ذکر کرنیوالی بی بی حضرت عبداللہ کی شان کس حوالے سے بیان کر رہی ہے؟ کیا ان لوگوں کو ان ہستیوں کے بارے میں کوئی ادراک نہیں؟ اپنے قوالوں کے منہ سے آنحضرتؐ کے نام مبارک کو تکرار سے لیتے سن کر ہیں کانپ اٹھتی ہوں۔ کاش کہ کوئی

http://khooz-e-dil.blogspot.com/

انہیں بتائیے کہ تم لوگ کس ہستی مبارک کا اسم گرامی لے رہے ہو یہ تو وہ ذات مقدس ہے جن کا نام لکھتے ہوئے نظریں اور دل پاس ادب سے دھڑکنیں بے ترتیب کرنے لگتا ہے۔

دلوں کے بھید خدا بہتر جانتا ہے لیکن میری سمجھ میں آج تک یہ نہیں آیا کہ یہ گائی جانیوالی نعتیں اور بے سروپا تقریریں آخر محبت کی کونسی قسم کا اظہار کرتی ہیں؟ یہ کیسی محبت ہے جو محبوب کی شان بیان کرنے کی بجائے اسکی شخصیت کا تاثر خراب کرنے کے درپے ہے؟ اپنی لاعلمی پہ جھوٹ کا پردہ ڈالتے ہوئے ایک من گھڑت قصہ نا سمجھ سامعین کو سناتے ہوتے اسے عشق و محبت کا نام دیا جو بھی دار دے؟ اتنا برا سلوک تو فلمی یا افسانوی محبت میں بھی محبوب کے ساتھ روا نہیں رکھا جاتا

عجیب ترجیحات تو یہ ہے کہ گورنمنٹ سکول کی پہلی کلاس کو بھی پڑھانے کے لیے حکومت نے مدرس کی تعلیم کم از کم بی۔ اے بی۔ ایڈ رکھی ہے۔ پرائیویٹ اداروں میں بھی نرسری کلاس کو الف ب سکھانے کے لیے استاد درکار ہو مگر اس کیلئے سب سے پہلا سوال امیدوار سے یہی کیا جاتا ہے کہ تعلیم کیا ہے تو پھر یہ مدرسے چلانے والی باجیاں اور مسجدوں میں بیٹھنے والے مولانا کسی بھی قسم کی تعلیمی استعداد سے آزاد کیوں سمجھے جاتے ہیں؟ اس لیے کہ آپ ہمارے نزدیک A.B.C سکھانا۔ تبت یدا ابی لہب' کے ترجمے کی تعلیم دینے سے زیادہ اہم ہوگیا ہے؟ سکول میں اردو کا قاعدہ پڑھانے کیلئے تو بی ایڈ کرنا لازمی قرار دیا جائے اور مسجد میں کھڑے ہوکر مذہب کا درس دینے کے لیے پانچ جماعتیں پاس کرنا بھی ضروری نہ سمجھا جائے۔ یہ اصول ہماری ذہنی سوچ کی کھلی عکاسی کرتا ہے۔

اگر حکومت تعلیمی اداروں میں مدرس کی تعلیم مقرر کرنے پہ اصول و قانون بنا سکتی ہے تو مسجدوں میں دینی تبلیغ کرنیوالوں کے لیے ان کی تعلیم کے متعلق کوئی قانون کوئی اصول کیوں لاگو نہیں کیا گیا؟ اگر ایسا کر لیا جاتا تو یقیناً یہ لوگ مذہب کو اپنی جاگیر سمجھتے ہوئے اس کی یوں چیر پھاڑ نہ کرتے۔ اسے ختم شریف، میلاد شریف اور عرس شریف تک محدود نہ کیا جاتا۔ مزاروں پہ دھمال اور قوالی کو ہی اسلام نہ سمجھا جاتا۔

بدقسمتی تو یہ ہے کہ جب ہم اس قسم کی آواز اٹھانا چاہتے ہیں تو یہ نام نہاد باجیاں اور ملا فوراً فتویٰ ہی دیدیتے ہیں کہ دیوبندی ہو اور دیوبندی کہنے کا انداز گالی دینے کا سا ہوتا ہے۔

ہم صرف مسلمان ہیں نہ سُنّی نہ وہابی نہ دیوبندی اور نہ بریلوی۔ ہم تو صرف اس اسلام کو ماننے والے ہیں جو آقائے نامدار ؐ لیکر آئے تھے۔ اور پھر عورتوں کے عاشق ہوکر مرنے غوث الاعظم کے گلی سے گزرنے پہ دل دھڑکتے اور ان کی بانگی چالوں پہ قربان ہو جانیوالا اسلام کونسا اسلام ہے؟ کیا ان لوگوں نے اپنی سطحی سوچوں کو ان عظیم ہستیوں سے وابستہ کرتے ہوئے ان اعلیٰ مرتبت ہستیوں کی شخصیت کا تاثر مسخ کرنے کی کوشش نہیں کی؟ داتا گنج بخشؒ کے مزار پر ہونے والے کارناموں نے نئی نسل میں خود داتا صاحب کو بدنام کر کے نہیں رکھ دیا؟

میں اس قسم کی تقریریں اور اولیا کرام کی شان میں پڑھے جانیوالے گیت نما قصیدے سُن کر کانپ اٹھتی ہوں ہمارے ملک کی اکثریت ناخواندہ اور مذہب کی الف ب سے بھی واقف نہیں۔ ان مسجدوں اور مدرسوں میں وعظ سننے کیلئے آنیوالوں کی اکثریت مذہب کا شوق تو رکھتی ہے مگر ذوق نہیں۔ ان سادہ لوح لاعلم لوگوں کے اس شوق کو جس تیزی سے غلط سمت کیطرف موڑا جارہا ہے اسکا اندازہ آپ اس ایک مدرسے میں کی جانیوالی تقریریں سنکر لگا سکتے ہیں اور اگر اس صورتحال پر قابو نہ پایا گیا تو وہ دن دور نہیں جب اسلام کے نام پہ ہر بری رسم دیکھنا ہمارا مقدر بن جائیگا۔ اگرچہ اس کا آغاز ہو چکا ہے۔

ظفر احمد قریشی

کشتِ ویراں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ دنیا میں بھیجا۔ دنیا میں رہنے کے طور طریق سمجھانے کے لیے اپنے برگزیدہ بندوں کو مقرر فرمایا۔ مختلف اوقات میں مختلف خطوں کے لیے مختلف قوموں کے لیے یہ برگزیدہ بندے جنہیں ہم نبی، رسول اور پیغمبر کے ناموں سے یاد کرتے ہیں مبعوث فرمایا۔ جنہیں یہ کام سونپا گیا کہ وہ اپنی اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے احکامات سنائیں۔ ان باتوں سے آگاہ کریں جنہیں کرنا ہے اور ان سے منع کریں جنہیں خدائے بزرگ و برتر نے کرنے سے روکا ہے۔ اسطرح کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے گئے۔ ان قوموں کی بدقسمتی تھی کہ وہ بجائے راہ راست اپنانے کے، برائی پہ اڑے رہے اور نتیجتاً ان پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور ان قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ بعض مغضوب قوموں کا حال قرآن پاک میں مذکور ہے۔ قرآن میں درج ان قوموں کے حال سے آگاہ کرنا دراصل ہمیں عبرت دلانا ہے کہ وہ قومیں جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کو چھوڑ کر شیطانی راستہ اختیار کر لیتی ہیں۔ ان کا انجام کیسا ہوتا ہے۔

انسانیت جب انتہائی پستی کی حدوں کو چھونے لگی تو آخری بار اللہ تعالیٰ کی رحمت پھر جوش میں آئی۔ اپنے بھٹکے ہوئے بندوں کی اصلاح منظور ہوئی تھا اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرب کی بے آب و گیاہ وادی میں مبعوث فرمایا۔ اب کے آپؐ کے ذریعے صرف عرب کے صحرا نوردوں کی اصلاح ہی مقصود نہ تھی بلکہ آپ کے ذریعے تمام انسانیت کی اصلاح پیش نظر تھی۔ اور انہیں قیامت تک کے لیے تمام انسانیت کا پیشوا مقرر فرما دیا۔ آپؐ پہ نبوت ختم کر دی گئی۔ آپؐ کے ذریعے جو تعلیمات عطا فرمائی گئیں ان میں کسی رد و بدل کی گنجائش نہ چھوڑی گئی۔ قیامت تک آنے والی تمام انسانیت اس بات کی پابند ہے کہ آپؐ کے بتائے ہوئے راستے کو اپناتے اور اس پر عمل پیرا ہوں۔

آپ کی تعلیمات کا عرصہ محض ۲۳ سال پر محیط ہے۔ یہ کسی بھی پیمانے سے ایک نہایت ہی قلیل عرصہ ہے۔ مگر آپؐ کی تعلیمات نے وہ اثر دکھایا کہ اتنے مختصر سے عرصہ میں یعنی آپ کی حیات طیبہ میں بہت ہی سارے کا سارا عرب آپ کے تابع

ہو چکا تھا اور جب آپؐ نے آخری خطبہ ارشاد فرمایا تو کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوس قدسیہ قدم بوسی کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔ آپؐ کی تعلیمات کی برکات تھیں کہ ایک گنوار اور جاہل قوم، آپؐ کے تابع فرمان آتے ہی ان صفات کی حامل ہو گئی کہ ہر کوئی بیک وقت سب طرح کے فن سیکھ گیا، وہ بہترین منتظم بھی بن گیا، بہترین سپاہی بھی، بہترین جرنیل بھی، بہترین مبلغ بھی۔ ایثار میں اس حد تک چلا گیا کہ اپنی ضرورتوں پہ اپنے ہمسائے کی ضرورتیں اسے زیادہ اہم لگنے لگیں۔ آپؐ پہ ایمان لاتے ہی آپؐ کی نظر رحمت اس خوش قسمت انسان پہ پڑی اس کی کایا ہی پلٹ گئی۔ وہ آن واحد میں دنیا کا ایک عظیم ترین انسان بن گیا۔ ایمان لانے سے پہلے کے دور کی مولانا حالی نے یوں تصویر کشی کی ہے

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا
کسی کا ہبل، کسی کا صفا تھا
یہ عزا پہ وہ نائلہ پہ فدا تھا
اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

اور جب ایمان کی دولت نصیب ہو گئی تو بقول اقبالؔ

؎ خود نہ تھے جو راہ پہ اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

آپؐ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے جانثاروں نے خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں اس وقت کی معلوم دنیا کے تقریباً تین چوتھائی حصہ پر اللہ تعالیٰ کے دین کو پہنچا دیا۔ یہ اتنا عظیم کارنامہ ہے کہ انسانیت کی پوری تاریخ میں اس کی نظیر تلاش کرنا بے سود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو نہ صرف ان علاقوں میں پہنچایا گیا بلکہ ان لوگوں کو اس طرح تعلیم دی کہ وہاں کے باشندے اپنے پرانے طور طریقوں کو چھوڑ کر اسلام کے مکمل شیدائی بن گئے۔ بعض علاقوں نے تو عربی زبان کو ہی اختیار کر لیا۔ اور یوں دنیا ایک بار ایک ایسے طرز معاشرت سے آشنا ہو گئی جس میں ہر طرف امن، چین محبت، اخوت، اللہ تعالیٰ سے محبت، اللہ تعالیٰ کے رسولؐ سے محبت، اللہ کے بندوں سے محبت، اللہ کی مخلوق سے محبت ہویدا ہوئی۔ محبت نہ صرف پیدا ہوئی بلکہ اس کا ہر طرف عملی مظاہرہ بھی نظر آنے لگا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بھی خود کو بہت بڑا انسان سمجھنے لگا۔ کیوں نہ ہوتا۔ جبکہ اس کی حق تلفی ہونے کی صورت میں انصاف کرنے والے ادارے حاکم وقت کو کٹہرے میں بلا لینے میں تامل نہ کرتے تھے اور نہ ہی حاکم وقت کو اس بات پر شرمساری ہوتی تھی کہ اُسے عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑا ہے۔

جب معاشرہ اس نہج پر چل نکلا تو اس نے ایسے ایسے نفوس کو جنم دیا جنہوں نے اپنے اپنے دائرہ کار میں بے مثل کارنامے سرانجام دیئے۔ خواہ طب سے متعلق ہو یا حساب دانی سے، کیمیا سے اس کا واسطہ ہو یا فلکیات سے۔ جب یورپ جہالت کی پستیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اندلس (آج کا سپین) ہر طرف دنیا کے علم و فن میں روشنیاں بکھیر رہا تھا۔ بغداد نے اپنے ہی انداز میں علم و ہنر کے خزانے اکٹھے کر لیے تھے۔ پھر کیا ہوا؟ مسلمانوں نے مسلمانوں کے طور طریقوں سے آہستہ آہستہ لاتعلقی شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طور طریقوں کو پس پشت ڈالنا ایک پسندیدہ فعل بنا لیا۔ جب ایمان راسخ تھا اور مالی وسائل کی شدید کمی تھی تو دنیا کی اس وقت کی سپر طاقتوں، قیصر و کسریٰ کو ان بے وسیلہ لوگوں نے روند کر رکھ دیا اور جب سب کچھ موجود تھا۔ مگر دولت ایمان کم ہو چکی تھی تو ہلاکو نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی! ایمان میں پختگی تھی تو صلاح الدین ایوبی نے پورے یورپ کی اجتماعی قوت کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا اور بیت المقدس کو عیسائیوں سے واگزار کرا لیا اور جب ہر طرح کے دنیاوی

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

وسائل موجود ہیں، کلمہ گوؤں کی تعداد بھی اس زمانے کی نسبت زیادہ ہے۔ تو اس بیت المقدس کو اللہ تعالیٰ کی راندہ مغضوب قوم کے حوالے کر دیا۔

اس امت واحدہ (بقول اقبال امت مرحومہ) کی کیا گت بن چکی ہے کہ دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہونے کے باوجود، مالی اور معدنی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود آج وہ محکوم، مجبور، بے سہارا، راہ گم گشتہ، دوسروں کے سہارے زندہ رہنے پر مجبور ہے۔ بہت سی رسمی سی آزاد مسلمان ریاستوں کو روس نے ہڑپ کر لیا اور باقی جو بزعم خویش آزاد کہلواتی ہیں وہ دونوں میں سے ایک سپر پاور کے نرغے میں ہیں آزادی محض نام کی۔ قرضوں نے نکیل ڈال رکھی ہے جب مسلمان بطور فرد برائے نام مسلمان ہوگا۔ تو پوری قوم جو کہ افراد سے بنتی ہے وہ بھی برائے نام مسلمان ہوگی اور یہی مسلمان بھی تو اسی معاشرے کے افراد ہوتے ہیں۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر ساری امت بھٹک گئی ہے۔

بطور مسلمان ہمارا کام تو یہ تھا کہ باطل مذاہب رکھنے والوں کو دین پر چلائیں ان کی رہبری کریں جس چیز کا انہیں علم نہیں ہے۔ انہیں سکھائیں۔ مگر مسلمان تو خود ان کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ ان کو اپنا رہبر سمجھ کر ان کی ہر بڑی رسم، عادت، بود و باش کو اپنانے پہ خوش ہے اور فخر کرتا ہے یہودی جو کہ نسبتاً ایک پرانی قوم ہے اس کے افراد خود کو یہودی کہلوا کر فخر محسوس کرتا ہے۔ مگر ایک کلمہ گو، نسبتاً نئے مذہب کا پیروکار، اپنے آپ کو مسلمان کہلوانا پسند نہیں کرتا۔ اسے خود کو مسلمان کہلوا کر شرم محسوس ہوتی ہے۔

یہ کیا صورت حال اسی طرح قائم رہے گی؟ کیا آخری فرمان رسولؐ میں ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جو حاضر ہیں وہ فرمودات رسولؐ کو دوسروں تک پہنچائیں؟ کیا ہم اپنا یہ فرض پورا کر رہے ہیں؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی اپنے فرض کو پہچانے اور پیارے نبیؐ کے احکامات کو اپنے اپنے حلقہ اثر میں پہنچائے تاکہ جو روشنی ان تک نہیں پہنچی وہ انہیں ملے اور اس طرح ایک دیے سے دوسرا دیا روشن ہونا شروع ہو جائے۔ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہمارے قلوب منور فرما کر بہت بڑا احسان ہم خطاکاروں پر کیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس نور کو آگے چلائیں۔ انشاءاللہ ایک وقت آئے گا کہ یہ امت پھر دولت ایمان سے مالا مال ہو جائے گی۔ اور جب یہ صورتحال ہو جائیگی تو مسلمان دنیا کی امامت کا فریضہ انجام دے سکے گا اور اسطرح کشت ویراں ایک بار پھر زرخیز ہو جائے گی۔ انشاءاللہ۔

Phone: 525736

WAHID JEWELLERS

FOR

QUALITY GOLD JEWELLERY

4, SAIGAL MARKET,
ZAIBUNNISA STREET,
SADDAR, KARACHI.

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

خلوصِ صحابہ

ڈاکٹر محمد دین

حضرت ابنِ شوذب رض فرماتے ہیں کہ حضرت ابو عبیدہ رض بن جراح کا والد اپنے بیٹے حضرت ابو عبیدہ رض کی گھات میں یوم بدر میں لگا رہا۔ ہر دفعہ حضرت ابو عبیدہ رض ہٹ جاتے اور اعراض کرتے۔ لیکن جب ان کا والد بار بار ان کے سامنے آیا حضرت ابو عبیدہ رض نے بالآخر اسے قتل کر دیا۔ تو اللہ پاک نے اس بارے میں یہ آیت اتاری۔ "جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور رسول کے خلاف ہیں کہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی کا کنبہ ہی کیوں نہ ہو۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالےٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کے دلوں کو اپنے فیض سے قوت دی ہے اور ان کو اپنے باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گا۔ اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں۔ خوب سُن لو اللہ کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔" سورہ مجادلہ رکوع ۳:-

حضرت اسامہ بن زید رض فرماتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم معطلق سے واپس ہوئے تو عبداللہ رض بن اُبی منافق کے صاحبزادے کھڑے ہوئے اور اپنے باپ پر تلوار سونت لی اور کہنے لگے میں نے اللہ کے لیے اپنے اوپر عہد کیا ہے کہ میں اس تلوار کو میان میں نہ رکھوں گا۔ جب تک کہ تو یہ نہ کہہ دے کہ محمد سب میں زیادہ عزت والے ہیں اور میں ذلیل ہوں۔ عبداللہ بن اُبی نے کہا۔ تیری خرابی ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑے باعزت اور میں بہت ذلیل ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ملی آپ نے بڑا تعجب فرمایا۔ اور ان کی اس بات پر انہیں دعائیں دیں ان کی اس بات کا بڑا شکریہ ادا کیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن اَبی بکر رض نے اپنے والد حضرت ابو بکر رض سے کہا میں نے جنگِ اُحد کے دن آپ کو دیکھا تو میں نے آپ سے اعراض کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے جواب دیا لیکن اگر میں دیکھ لیتا تو تجھ کو قتل کر دیتا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رض نے جنگ بدر میں اپنے مقابلہ کے لیے آواز لگائی تو ان کے مقابلہ کے لیے ان کے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ تیار ہوئے۔ تو رسول اللہ نے فرمایا اے ابو بکر رض تم اپنی ذات سے ہمیں نفع پہنچاؤ۔

ایک جنگ میں حضرت عمر رض نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا اور حضرت علی رض نے اپنے چچا زاد بھائی عاص کو قتل کیا۔

http://kitaboosunnat.blogspot.com/

تصوّف کیا نہیں؟

تصوّف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دُنیا کے کاروبار میں ترقّی دِلانے کا نام تصوّف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دُور کرنے کا نام تصوّف ہے نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوّف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوّف ہے اور نہ آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوّف ہے۔ نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کُشا اور حاجت رَوا سمجھنا تصوّف ہے، نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجّہ سے مُرید کی پُوری اِصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دَولت بغیر مجاہدہ اور بِدُون اِتّباعِ سُنّت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و اِلہام کا صحیح اُترنا لازمی ہے اور نہ وَجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوّف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوّف کا لازمہ بلکہ عین تصوّف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوّفِ اسلامی کا اِطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اِسلامی تصوّف کی عین ضِد ہیں۔

(دلائل السُّلوک)

http://khooz-e-dil.blogspot.com/

ہماری مطبوعات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

○ تصوف

تعارف	۵/- روپے
دلائل السلوک (اردو)	۶۰/- روپے
دلائل السلوک (انگریزی)	۱۰۰/- روپے
اسرار الحرمین	۱۵/- روپے
عقائد و کمالات علماء دیوبند	۱۰/- روپے
علم و عرفان	۵/- روپے

○ حیات بعد الموت :

سیف اویسیہ	۱۰/- روپے
حیاتِ برزخیہ	۳۰/- روپے
حیاتِ انبیاء	۱۵/- روپے
حیاتُ النبیؐ	۱۵/- روپے

○ شیعیت ۔ تحقیقی مطالعہ :

الدین الخالص	۳۰/- روپے
ایمان بالقرآن	۲۵/- روپے
تحذیر المسلمین	۴۰/- روپے
تفسیر آیاتِ اربعہ	۱۰/- روپے
تحقیق حلال و حرام	۱۵/- روپے
حرمتِ ماتم	۱۰/- (۱۲) روپے
ایجادِ مذہب شیعہ	۱۰/- روپے
شکست اعدائے حسینؓ	۱۰/- روپے
دامادِ علیؓ	۲۰/- روپے
بناتِ رسولؐ	۱۰/- روپے
الجمال والکمال	۱۰/- روپے
عقیدہ امامت اور اس کی حقیقت	۵/- روپے

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اسرار التنزیل حصہ اول	۶۰/- روپے
اسرار التنزیل (مجلد) حصہ دوم	۱۰۰/- روپے
دیارِ حبیبؐ میں چند روز	۱۰/- روپے
ارشاد السالکین (اول)	۱۵/- روپے
ارشاد السالکین (دوم)	۵/- روپے
ارشاد السالکین (انگریزی)	۱۵/- روپے
امیر معاویہؓ	۱۰/- روپے
راہیٔ کرب و بلا	۵/- روپے
عصر حاضر کا امام	۵/- روپے
شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد	۵/- روپے
حیات طیبہ (انگریزی)	۱۰/- روپے
نورِ بشر کی حقیقت	۵/- روپے

پروفیسر حافظ عبد الرزاق ایم اے اسلامیات و عربی

ذکر اللہ (عربی)	۵/- روپے
لغزشیں	۱۰/- روپے
اطمینانِ قلب	۱۵/- روپے
تصوف و تعمیر سیرت	۱۵/- روپے
کس لیے آتے تھے ؟	۱۰/- روپے
خدایا ایں کرم بار دگر کن	۱۰/- روپے
بزمِ انجم	۲۰/- روپے
دین و دانش	۱۰/- روپے
کونوا عباد اللہ	۵/- روپے
انوار التنزیل	۱۰/- روپے
مغالطے	۱۵/- روپے

اویسیہ کتب خانہ

سول ایجنٹ ◎ الوہاب مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○ اردو بازار لاہور

http://knooz-e-dil.blogspot.com/